جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں ۔

منظور کردہ : وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب) حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات، نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

باب1:	فلسفہ کی تعریف	1
باب2:	فلسفہ اور مذہب	16
باب3:	فلسفہ اور سائنس	26
باب4:	علم	38
باب5:	مابعد الطبیعات	53
باب6:	اخلاقیات	61
باب7:	اسلامی اقدار	73
باب8:	حکمت۔ مفہوم اور دائرہ کار	91
	حل مشقی سوالات	104
	فرہنگ	106
	کتابیات	109

مصنف: ڈاکٹر جاوید اقبال ندیم، ایسوسی ایٹ پروفیسر فلسفہ (ر)

یونیورسٹی کالج آف ایجوکیشن، لوئر مال، لاہور

زیرنگرانی: فریدہ صادق

آرٹسٹ : مسز عائشہ وحید

ناشر: ایمی پرنٹرز لاہور

مطبع: الرحیم آرٹ پریس لاہور

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
مئی 2019ء	اول	7	2,000	53.00

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

باب 1

فلسفہ کی تعریف (Definition of Philosophy)

انسان ذہنی طور پر کچھ نہ کچھ جاننے کی جستجو کرتا ہے۔ جیسے جیسے علمی اور فکری مسائل حل ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے فکر کے نئے نئے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ انسان حیرانی اور استعجاب کی گہرائیوں میں گرتا ہے تو پھر فلسفہ ہی اسے اس فکری بھنور سے باہر نکالتا ہے۔ اسی لیے یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا کہ فلسفے کی ابتدا حیرت و تعجب اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنی الجھنوں کو دور کرنے کی کوشش سے ہوتی ہے۔ انسان کا شعور بتدریج پختہ ہوتا جاتا ہے، شعور کی بلندیاں انسان کی حیرانی میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ فلسفہ اس حیرانی کو دور کرتا ہے اور اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے حیران کن سوالات کے جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

فکر عموماً اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان کو کوئی ذہنی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ کسی فکری مسئلے کا حل جبلی طور پر ممکن نہیں۔ جب انسان کسی مشکل مسئلہ اور اس کے جوابی فعل کے درمیان وقفہ میں مخصوص ذہنی عمل سے گزرتا ہے تو اسی ذہنی عمل کو فکر کہتے ہیں جو جبلتِ تجسس کی تسکین کرتی ہے۔ یہی ذہنی عمل ان مخصوص حالات اور ماحول میں انسان کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ جسے ہم فلسفیانہ سوچ و بچار کہتے ہیں۔ ہر شخص کی سوچ کی ایک سطح ہوتی ہے جسے انفرادی یا ذاتی فلسفہ کہا جاسکتا ہے۔ کسی شخص کا انفرادی نقطۂ نظر یا ذاتی فلسفہ، عقائد اور اقدار پر مبنی ہوتا ہے جبکہ منظم اور کائناتی فلسفہ میں منطقی ربط اور تسلسل پایا جاتا ہے۔

انسان کے ذہن میں ہمیشہ تین قسم کے سوالات ابھرتے رہتے ہیں یعنی کوئی شے کیا ہے؟ کیسے ہے؟ اور کیوں ہے؟

کیا اور کیسے کے جواب سائنسی فکر سے حاصل کیے جاسکتے ہیں جبکہ کیوں کا جواب فلسفہ مہیا کرتا ہے جس سے خیالات، تصورات، اصول اور کلیے وضع کیے جاتے ہیں اور ان کی قدر و منزلت اور اہمیت بیان کی جاتی ہے۔

فلسفہ دراصل حقیقت کی تلاش اور حبِ دانش کا نام ہے۔ اسی لیے فلسفیانہ مسائل حل کرنے والے کو حکیم، دانا یا فلسفی کہا جاتا ہے۔ تاریخ فلسفہ یونان کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ فیثا غورث نے سب سے پہلے فلسفہ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ فلسفہ ہمیں فکر کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے جس پر جا کر فلسفی صداقت اور حقیقت جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا رجحان ہے جس میں فلسفہ بہ حیثیتِ مجموعی فکرِ انسانی اور ممکنہ حقیقت کی ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

فلسفی انتہائی اعلیٰ درجے کا وہ ذہین و فطین شخص ہوتا ہے جو اپنے فکر و نظر سے اشیا و نظریات کی ابتدا اور انتہا جاننے کی تگ و دو کرتا ہے۔

انگریزی زبان کا لفظ Philosophy حقیقتاً یونانی الاصل ہے جس میں PHILIA کے معنی Love یعنی محبت کے ہیں اور SOPHIA کے معنی Wisdom یعنی حکمت و دانائی کے ہیں۔ اس طرح Philosophy کے لغوی معنی "Loveof Wisdom" یعنی "محبتِ حکمت یا حبِ دانش" ہیں۔

فلسفی وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر طرح کی ازلی وابدی اور عدیم التغیر اشیا و نظریات کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ہم تاریخ فلسفہ کو تین بڑے ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ دورِ اول قدیم دور ہے جس میں فلسفوں کی تقسیم اس طرح ہے۔ ہندی فلسفہ، چینی فلسفہ، ایرانی فلسفہ، مصری فلسفہ اور یونانی فلسفہ شامل ہیں دورِ ثانی ازمنہ وسطیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے جس میں مسلم فلسفہ، عیسائی فلسفہ اور عبرانی فلسفہ اہم ہیں، دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت شامل ہیں۔

دورِ اوّل میں یونانی فلسفیوں میں تھیلیز، ہراکلائٹس، ایمپیڈوکلیز، پارمینڈیز، فیثاغورث، پروٹاغورس، سقراط، افلاطون اور ارسطو کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ ان عظیم یونانی فلسفیوں نے میدانِ فلسفہ میں کمال نظریات پیش کئے جو ابھی تک تازہ ہیں۔

دورِ ثانی یعنی ازمنہ وسطیٰ کے مسلمان فلسفیوں میں الکندی، الفارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ، امام الغزالی، ابنِ ماجہ، ابنِ طفیل، ابنِ رشد، امام ابوبکر رازی، ابنِ خلدون اور ابنِ عربی آسمانِ فلسفہ پر چمکتے ستارے ہیں جنہوں نے متعدد فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو حل کرنے کی کوشش جاری رکھی۔ اسی طرح دورِ ثالث میں فلسفہ جدید اور پسِ جدیدیت کے معروف فلسفیوں میں ڈیکارٹ، کانٹ، ہیگل، نٹشے، برگساں، رسل، وائیٹ ہیڈ، وٹگن سٹائین، دریدا اور چومسکی وغیرہ مشہور ہیں۔

فلسفیانہ افکار بعض اوقات قوموں کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ بعض اوقات عرصہ دراز تک کسی قوم کا کوئی فلسفہ سامنے نہیں آتا لیکن یہ بات واضح ہے کہ انسان ہمیشہ حقیقت جاننے کی تگ و دو کرتا رہتا ہے، جو یقیناً ہمیشہ جاری رہے گی۔

ہر دور میں سچائی کی تلاش اور اسے حاصل کرنے کی خواہش میں مسلسل جدوجہد کرنے کا نام فلسفہ ہے۔ انسان جب کوئی نئی شے دیکھتا یا آواز سنتا ہے تو حیران ہوتا ہے۔ یہ حیرانی کا عمل اس کے ذہن میں سوالات پیدا کرتا ہے۔ سوچ و بچار اور فکر پیدا کرتا ہے۔ اسی حیرانی سے فلسفے کی ابتدا ہوتی ہے سوچ و بچار اور فکر کا نام ہی فلسفہ ہے۔ افلاطون نے کہا ہے:

"Philosophy begins with wonder"

جس طرح یونانی فلسفی افلاطون کا خیال ہے کہ فلسفہ کی ابتدا حیرانی سے ہوتی ہے اسی طرح فلسفہ جدید کے بانی ڈیکارٹ (Descartes) کے خیال میں فلسفے کی ابتدا شک اور شبہے کی اذیت ناک ذہنی کیفیت سے نجات حاصل کرنے کی فطری آرزو کی وجہ سے ہوتی ہے۔ شک و شبہے سے مراد تشکیک کا عمل ہے۔ یعنی کسی صورت حال یا شے کے متعلق جب تک یقین نہ ہو جائے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ گویا اُسے شک (Doubt) سے دیکھا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شے کی حقیقت کیا ہے؟ اصلیت کیا ہے؟ کیا یہ شے جیسی نظر آتی ہے حقیقت میں بھی ویسی ہے جو نظریہ یا تعقل استعمال کیا گیا ہے وہ مستند ہے یا نہیں ہے۔ کہیں الفاظ کا گورکھ دھندا تو نہیں ہے۔

"Philosophy Begins with Doubt" Descartes

جدید دور میں فلسفے کا مفہوم مزید ترقی پا گیا ہے۔ فلسفے کے دو اہم کام یا افعال ہیں۔ پہلا ترکیب (Synthesis) اور دوسرا تحلیل یا تجزیہ (Analysis)۔ فلسفہ بکھری ہوئی سوچ کے تانے بانے بنتا ہے ترکیب کا کام ایک دائرے کے اندر رہ کر فکری مغالطے ختم کر کے سوچ کی اکائیاں یکجا کرنا ہے۔ جس سے اجزا کی اہمیت کو کل کے ساتھ ان کی وابستگی کے حوالے سے اجاگر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تحلیل (Analysis) کے عمل سے اشیا، نظریات اور تعقلات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تجزیہ سے اصل حقائق اور حیثیت سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔

تجزیہ ہو یا ترکیب یہ دونوں خصوصی حیثیت کے حامل اعمال ہیں۔ کوئی عمومی ذہنی سطح کا شخص ایسا کمال نہیں دکھا سکتا۔ یوں فلسفہ صرف فلسفیوں کے لیے ہوتا ہے، عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔

تمام تر علوم کی ابتدا فلسفہ ہی سے ہوئی ہے جو شخص طبیعیات، کیمیا، طب، ہندسہ، موسیقی، نفسیات، معاشیات، فلکیات، مابعد الطبیعیات غرضیکہ تمام علوم پر دسترس رکھتا ہے اُسے دانا، حکیم یا فلسفی کہا جاتا ہے۔ وہ عقلی اور فکری لحاظ سے دوسروں سے برتر ہوتا ہے۔ فلسفہ ہی سے تمام علوم نکلے ہیں کانت (Comte) نے اسی لیے فلسفے کو ام العلوم کہا تھا یعنی فلسفہ تمام علوم کی ماں ہے۔

فلسفی نظریہ قائم کرتا ہے اور سائنسدان اس پر عمل کر کے آسائشات پیدا کرتا ہے۔ فلسفہ نظری ہوتا ہے اور سائنس اس کا عملی پہلو۔ اس طرح فلسفہ سائنس کی رہنمائی کرتا ہے۔ ڈبلیو ٹی سٹیس (W.T.STACE) کے خیال کے مطابق دیگر سائنسی علوم جہاں آ کر ختم ہوتے ہیں فلسفہ اُس سے آگے اپنی تحقیقات کا آغاز کرتا ہے۔ اس سے مراد ہے کہ پہلے نظریہ پیدا ہوتا ہے پھر اس نظریہ پر سائنسدان عمل کرتے ہیں۔ جہاں جا کر سائنس کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ وہاں پھر کسی نہ کسی نظریہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ نظریہ سائنس کو فلسفیانہ ذہن رکھنے والے لوگ مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح ہربرٹ سپنسر (Herbert Spencer) کا کہنا ہے کہ سائنس جزوی طور پر منظم علم ہے جبکہ فلسفہ کلی طور پر منظم علم ہے۔ فلسفے میں زندگی کے مسائل حل کرنے کے لیے منظم اور مرتب انداز سے وسعتِ قلب اور وسیع النظری سے کام لیا جاتا ہے۔

فلسفیانہ افکار مقفل ذہنوں کو کھولتے ہیں اس طرح انسانی ذہن اس قابل ہو جاتا ہے کہ پوری کائناتی فضا کے بند دریچے آہستہ آہستہ خود بخود وا ہو جاتے ہیں۔ فلسفہ ہی کی بدولت دنیا کے تمام علوم ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں۔ جس سے انسان تخیلاتی کائنات میں بالعموم معنویت، ترتیب، توازن اور کلیت پیدا کرتا ہے۔ فلسفہ علم کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔

تنقید ہو کہ تحقیق، ترکیب ہو کہ تحلیل سب کی بنیادیں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔ فلسفہ حقیقت کی تہہ تک پہنچنے کا طریق کار ہے۔ سوچ و بچار اور فکری کاوش سے صرف فلسفہ ہی بتاتا ہے کہ وجود کی اصل ماہیت اپنی فطرت میں کیا ہے؟

فلسفیانہ سوالات (Philosophical Qusestions)

فلسفے کا بنیادی کام ہی سوالات اُٹھانا ہے۔ انسان کو اس قابل بنانا کہ وہ جس میدان میں بھی کام کر رہا ہو وہاں فکری انداز سے سوچنے کے قابل ہو جائے۔

ہمیشہ سے ہی ذہنوں میں چند ایک مخصوص سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، مثلاً انسان کیا ہے؟ کائنات کیا ہے؟ اس کا خالق کون ہے؟ علم کیا ہے؟ سوچ و بچار کیسے ممکن ہے؟ وہ کون سے علوم ہیں جو معیار مقرر کرتے ہیں؟ بنیادی طور پر یہ فلسفے ہی کے سوالات ہیں۔ ان کا جواب تلاش کرنا فلسفیوں کا کام ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ فلسفہ وہ ہے جو فلسفی کرتے ہیں یعنی فلسفی اپنی فکری کاوشوں سے جو نظریات قائم کرتے ہیں دراصل وہی فلسفہ ہوتا ہے۔

فلسفے کے موضوعات، عنوانات یا سوالات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس میں فلسفے کی فکری سرحدیں طے کرنا ناممکن ہے۔ لیکن کسی حد تک جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ فلسفے کا دائرہ کار اور معیار کیا ہے؟

فلسفے کا دائرہ کار (Scope of Philosophy)

فلسفے کے دائرہ کار سے مراد یہ ہے کہ فلسفے کی وسعت کیا ہے؟ یعنی فلسفے میں کون سے اہم موضوعات زیرِ بحث آتے ہیں؟ فلسفہ کن عنوانات یا علوم پر بحث کرتا ہے؟ ویسے کہا جاتا ہے کہ فلسفہ ''ام العلوم'' ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام علوم فلسفہ ہی سے برآمد ہوئے ہیں۔ قدیم فلسفی تمام علوم کے ماہر تھے۔ ایک فلسفی طبیعیات، کیمیا، حیاتیات، نباتیات، نفسیات، معاشیات، ہندسہ، منطق، معاشریات، تاریخ غرضیکہ تمام علوم کا ماہر ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ علم کی جس شاخ میں ترقی ہوتی گئی وہ فلسفہ سے الگ اپنی حیثیت قائم کرتا چلا گیا۔

طبیعیات، کیمیا وغیرہ فلسفے سے پہلے علیٰحدہ ہوئے جبکہ نفسیات کو الگ اپنی حیثیت قائم کیے تقریباً ایک سو سال ہوئے ہیں۔

فلسفہ کو موضوعات کے لحاظ سے تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

فلسفہ کا دائرہ کار
Scope of Philosophy

Ontology	Epistemology	Axiology
وجودیات	علمیات	قدریات

1:۔ وجودیات (Ontology)

فلسفے کے اہم موضوعات میں سے یہ سوال بھی ہے کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ کائنات کی حقیقت اس کی نوعیت اور ماہیت کو کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے؟ کائنات کی اساس کیا ہے؟ کائنات کیسے بنی ہے؟ اس کی ابتدا کیا ہے؟ اس کی اصلیت کیا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا حل وجودیات میں تلاش کیا جاتا ہے۔ کیا کائنات صرف ایک جوہر سے بنی ہے یا کہ زیادہ جواہر کا مجموعہ ہے۔

وجودیات کو نظریات کے لحاظ سے درج ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

وجودیات Ontology

Monism	Dualism	Pluralism
احدیت	ثنویت	کثرتیت

(i) احدیت (Monism)

احدیت کے نظریہ کے مطابق کائنات کی ابتدا صرف ایک جوہر سے ہوئی ہے۔ یعنی کائنات صرف کسی ایک جوہر (Substance) سے بنی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے یونانی فلسفی تھیلیز کا خیال تھا کہ تمام کائنات پانی سے بنی ہے۔

(ii) ثنویت (Dualism)

ثنویت کے نظریہ کے مطابق کائنات کسی دو جواہر (Substances) سے مل کر بنی ہے، یعنی ذہن (Mind) اور مادہ (Matter) سے۔

(iii) کثرتیت (Pluralism)

کثرتیت کے نظریہ کے مطابق کائنات کی ابتدا ایک جوہر یا دو جواہر سے نہیں ہوئی بلکہ لاتعداد بنیادی جواہر سے کائنات بنی ہے۔ کائنات میں چونکہ مختلف نوعیت کی مختلف اشیا موجود ہیں اس لیے یہ مختلف جواہر کے مجموعہ ہی سے بنی ہے۔

یونانی فلسفی ایمپیڈوکلیز (Empedocles) کے خیال میں کائنات چار بنیادی عناصر یعنی جواہر، (Elements) سے مل کر بنی ہے اور وہ چار بنیادی عناصر پانی، مٹی، آگ اور ہوا ہیں۔ اسی طرح ایک اور یونانی فلسفی ڈیموقریطس (Democritus) کا خیال ہے کہ چار نہیں بلکہ لاتعداد عناصر سے مل کر کائنات وجود میں آئی ہے۔

(2) علمیات (Epsitemology)

علمیات کے دائرہ کار میں اِن سوالات کا جواب تلاش کیا جاتا ہے۔ علم کیا ہے؟ علم کے ماخذ اور حدود کیا ہیں؟ کیا ہم کسی شے کا علم رکھ سکتے ہیں؟ کیا حواس حقیقی ہوتے ہیں؟ جو کچھ ہمیں محسوس ہو رہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے یا کہ دھوکا اور فریب ہے؟ بعض فلسفیوں کا خیال ہے کہ علم کا حصول ممکن ہی نہیں۔ جدید فلسفہ کے بانی ڈیکارٹ (Descartes) کا خیال ہے کہ تشکیک سے علم کو جانچنا چاہیے۔ اس طرح فلسفیانہ سوچ واضح ہوتی ہے اور تشکیک سے پتہ چلتا ہے کہ علم کا حصول ممکن ہی نہیں۔ ہر شے پر شک کر کے دیکھیں اور تجزیہ کریں تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔ بعض کا کہنا ہے کہ علم یا خیال انسان کے ذہن میں پیدائشی اور وہبی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ وہبی خیالات (Innate Ideas) کے قائل عقلیت پسند (Rationalist) ہیں۔ وہ نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ انسانی ذہن میں پیدائشی طور پر بعض تصورات موجود ہوتے ہیں۔ جیسے گراموفون کے ریکارڈ میں گانے بند ہوتے ہیں اور گراموفون کی سوئی کے لمس سے یہ سنائی دیتے ہیں یا کمپیوٹر میں استعمال ہونے والی ڈسک میں مواد موجود ہوتا ہے اور کمپیوٹر میں ڈالنے سے وہ سامنے سکرین پر آجاتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس بعض فلسفیوں کا خیال ہے کہ پیدائش کے وقت انسان کا ذہن ایسے ہی خالی ہوتا ہے جیسے کوئی صاف سلیٹ۔ یہ خیال مشہور فلسفی جان لاک (Johne Locke) کا ہے جس طرح صاف سلیٹ پر بعد میں حروف یا الفاظ لکھے جاتے ہیں اس طرح ذہن پر تجربات اور مشاہدات کی بنا پر خیالات و تصورات کے نقوش بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کو ماننے والوں کو تجربیت پسند (Empirisists) کہا جاتا ہے کہ وہ تجربہ کی بنا پر علم حاصل کرنے کے حامی ہیں۔

تجربیت پسندوں کا نقطہ نظر ہے کہ انسان کا تمام علم اکتسابی ہوتا ہے۔ خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو۔

بعض مفکرین حواس اور استدلال سے حاصل کردہ علم کو علم جانتے ہیں اور بعض مفکرین وجدان اور الہام کو صحیح ماخذ علم تسلیم کرتے ہیں۔

علمیات کے موضوع میں ان تمام ذرائع اور ماخذ کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کی بنا پر ہم علم حاصل کرتے ہیں۔ علم کیا ہے؟ مثال کے طور پر ادراک (Perception) کو علم کہتے ہیں۔ جب ہم کچھ محسوس کرتے ہوئے اسے معنی دیتے ہیں تو اس عمل کو ادراک کہتے ہیں۔ جتنا ہمارا ادراک زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی علم بڑھتا ہے۔ حواس سے حاصل کردہ علم میں نقائص ہیں یعنی بعض اوقات ہم التباس یا وہم کا شکار ہو جاتے ہیں اور جو کچھ ہمیں محسوس ہو رہا ہوتا ہے اس کو ہم اپنی دانست کے مطابق معنی پہنا دیتے ہیں حالانکہ حقیقی صورت حال اس سے مختلف ہوتی ہے۔ سڑک پر تیز دھوپ کی شعاعیں منعکس ہوتی ہیں تو ہم دور سے اسے پانی سمجھ لیتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہاں پانی نہیں ہوتا۔ رات کو کم

روشنی یا کسی بھی وجہ سے کلر والی سفید جگہ سے پاؤں اٹھا کر آگے رکھتے ہیں کہ یہ پانی یا کوئی اور شے ہے جبکہ حقیقتاً وہ کلر والی سفید مٹی ہوتی ہے۔ اسی طرح ریل گاڑی میں سفر کرتے ہوئے دور کے درخت حرکت میں دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ہم حرکت میں ہوتے ہیں نہ کہ درخت۔ اسی طرح بو، بدبو، خوشبو، ذائقہ اور آواز کا بھی غلط ادراک یا التباس (illusion) ممکن ہے۔

حواس کے ایسے نقائص کی وجہ سے صحیح علم حاصل کرنے سے ہم قاصر ہوتے ہیں۔

(3) قدریات (Axiology)

قدریات میں صداقت کیا ہے؟ قدریات میں کسی شے یا جو کچھ بھی دنیا میں موجود ہے کی حقیقی قدر اور معیار کا ذکر کیا جاتا ہے۔ معیار اور پیمانہ طے کرنے والے علوم کو معیاری علم (Normative Science) کہا جاتا ہے۔ فلسفیانہ افکار میں انسان سائنس کی طرح کلی اور عمومی نتائج مستند طور پر اخذ نہیں کرتا بلکہ اس میں فکر کے ارتقا کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس لیے پوری دنیا کے لیے مستقل اور عمومی اقدار مہیا کرنے کے بجائے مختلف فلسفیوں کے کسی ایک شے، نظریہ یا تعقل کے بارے میں مختلف رائے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے مختلف فلسفی مختلف نظام ہائے افکار و اقدار پیش کرتے رہے ہیں۔ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے لوگوں کی خواہشات میں فرق بھی نئے اور مختلف فلسفوں کو جنم دیتا ہے۔ دنیا کے اکثر فلسفیوں کا اندازِ فکر یکساں نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر مختلف معیارات طے کیے گئے ہیں۔ یونانی سوفسطائی فلسفی پروٹاگورس کا کہنا تھا۔ ''انسان ہر شے کا پیمانہ ہے''۔

"Man is the Measure of all Things"

ہر انسان کا سوچنے کا معیار اپنا ہے وہ اپنی عقل و دانست کے مطابق کسی شے کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے۔ اقدار جن کی بنا پر معیاری علوم کا تعین کرتے ہیں، تین ہیں۔

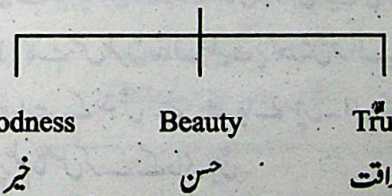

سوچ بچار اور فکر کے صحیح ہونے کا تعلق صداقت (Truth) سے ہے۔ فکر کے صحیح ہونے کے بارے میں بحث سے منطق جنم لیتا ہے جو فکر کے قوانین وضع کرتا ہے۔

حسن و جمال کے حوالے سے معیارات کا تعین جمالیات کو جنم دیتا ہے جس میں بدصورتی اور خوبصورتی کے اصول مقرر کیے جاتے ہیں اور اُن پر بحث کی جاتی ہے۔

خیر کا معیار (Good) کسی شخص کے عمل کی خوبی اور خامی بیان کرتا ہے۔ اس طرح اگر ہم ان تین اقدار صداقت، حسن اور خیر کو سامنے رکھیں تو دنیا میں صرف تین معیاری علوم وضع ہوتے ہیں۔ ان تینوں معیاری علوم کا نقطہ نظر اور ان کی غرض و غایت بالکل مختلف ہے۔ ان کا تعلق اشیا کی ہست و بود سے نہیں ہوتا بلکہ ان کی قدر و قیمت سے ہوتا ہے۔ وہ ہمیں یہ نہیں بتاتے کہ فلاں اشیا یوں ہیں یا یوں تھیں بلکہ یہ بتاتے ہیں

کہ انہیں یوں ہونا چاہیے۔ وہ ان معیاری اصولوں سے اشیا کی قدر و قیمت کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ معیارات وہ اقدار ہیں جو زندگی کے بارے میں اعلیٰ اور بہترین انداز فکر کو روشناس کراتی ہیں۔

معیاری علوم Normative Sciences

قدریات Axiology

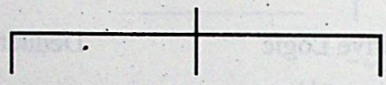

(i) منطق (Logic)

منطق ایک معیاری علم ہے جو فکر کی صحت (Validity) کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور صحیح فکر کے قوانین کا مطالعہ کرتا ہے۔

Logic is a science that studies the laws of valid thought.

علم منطق ہمیں بتاتا ہے کہ فکر کیسا ہونا چاہیے؟ منطق فکر کے نتائج سے بحث کرتا ہے۔ اور ان کی صحت یا عدم صحت کو جانچتا ہے۔ منطق فکر کا معیاری نقطہ نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔

منطق کا لفظ نطق سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں زبان، اس میں زبان اور فکر دونوں کے معنی پائے جاتے ہیں۔ منطق کا موضوع فکر ہے اور صرف ونحو یعنی گرائمر وغیرہ کا موضوع زبان ہے۔ چونکہ فکر اور زبان یعنی خیالات اور الفاظ میں گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا منطق اور علم صرف ونحو آپس میں مربوط ہیں۔ منطق صرف ونحو یعنی گرائمر کے اصول وضع کرنے میں مدد دیتا ہے۔ منطق تصورات، تصدیقات اور استدلات کی صحت کا مطالعہ کرتا ہے۔ یعنی اس کا اہم کام فکر کی صحت دیکھنا ہے۔ علم منطق فکر و استدلال کی قوت کو بڑھاتا ہے اور ہمیں صاف اور صحیح انداز سے سوچنے میں مدد دیتا ہے۔ فکر و استدلال کے قوانین جان کر ہم گمراہ کن استدلال اور فکری مغالطوں سے بچ سکتے ہیں۔ ہر علم کو صحیح فکر و استدلال کی ضرورت ہوتی ہے اور صحیح فکر و استدلال کے قوانین بنانا منطق کا کام ہے۔ اس لیے منطق کو علم العلوم کہا جا سکتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں منطق بے حد مفید ہے۔ روزانہ ہماری صحیح گفتگو منطقی دلائل پر مبنی ہوتی ہے جبکہ غلط افکار منطق کے قوانین کے بغیر ہوتے ہیں۔ ہم اپنی روزمرہ کی گفتگو اور دلائل میں دانستہ یا نادانستہ طور پر منطق کے اصولوں کو استعمال میں لاتے ہیں۔ اساتذہ، وکلا، واعظ اور مقرر ہر وقت منطق سے استفادہ کرتے ہیں۔ وکیل عدالت میں کسی جرم کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لیے جو دلائل دیتا ہے وہ منطقی دلائل ہوتے ہیں جج جو فیصلہ ان دلائل کو سن کر دیتا ہے وہ بھی منطقی نتیجہ ہوتا ہے۔ منطق وہ علم ہے جو فکر کے ایسے قوانین بتاتا ہے جن کے بغیر صحیح فکر ممکن ہی نہیں۔ فکر کی صحت (Validity) سے مراد یہ ہے کہ فکر میں اپنی ہی تردید نہ پائی جائے اور فکر حقائق کے مطابق ہو۔ اگر فکر میں خود تردیدی نہ پائی جائے تو یہ صحت فکر صوری (Formal) ہوتی ہے۔ اور اگر فکر حقائق کے مطابق ہو تو صحت فکر مادی (Material) ہوتی ہے۔

صوری صحت (Formal Validity) میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ فکر اپنے آپ سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ مادی صحت

(Material Validity) میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ فکر بیرونی حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ صحت کے انہی دو مفاہیم کی بنا پر منطق کو دو شاخوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

منطق Logic

Deductive Logic	Inductive Logic
منطق استخراجیہ	منطق استقرائیہ

منطق استخراجیہ (Deductive Logic)

منطق استخراجیہ استدلال کی صرف صوری صحت (Formal Validity) کو جانچتا ہے۔ دیئے ہوئے مقدمات یا جملوں یا قضیوں کو صحیح مان کر منطق استخراجیہ میں دیکھا جاتا ہے کہ نتیجہ مانے ہوئے مقدمات کے مطابق ہے یا نہیں۔

منطق استخراجیہ میں دیئے ہوئے مقدمات یعنی جملوں میں سے چھپا ہوا نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے۔ مقدمات یا جملوں اور نتائج کی صوری صحت کے بارے میں جانچ پڑتال کرنا منطق استخراجیہ کا کام ہے۔ مثلاً:

تمام انسان فانی ہیں۔

سقراط ایک انسان ہے۔

نتیجہ..... لہٰذا سقراط فانی ہے۔

منطق استخراجیہ کے لحاظ سے پہلے دو جملوں میں سے تیسرا جملہ نتیجے کے طور پر اخذ کیا گیا ہے جو ان میں چھپا ہوا تھا۔ پہلا جملہ ''تمام انسان فانی ہیں''۔ کے ساتھ جب دوسرا جملہ ''سقراط ایک انسان ہے'' ملایا جاتا ہے تو ہر صورت میں تیسرا جملہ نتیجے کے طور پر نکلتا ہے جو کہ صوری صحت کے اصولوں کے مطابق بالکل صحیح ہے اور اگر پہلا جملہ یہ دیا ہو کہ ''تمام انسان درخت ہیں'' اور دوسرا جملہ ہو ''تمام طلبا انسان ہیں'' تو پھر یہ صورت بنے گی۔

تمام انسان درخت ہیں۔

تمام طلبا انسان ہیں۔

نتیجہ.....لہٰذا تمام طلبا درخت ہیں۔

منطق استخراجیہ چونکہ صوری صحت یعنی واضح شکل و صورت کو دیکھتی ہے تو اس طرح یہ استدلال بالکل صحیح ہے اور تیسرا جملہ (نتیجہ) ''تمام طلباء درخت ہیں'' منطق استخراجیہ کے اصول کے مطابق صحیح نتیجہ اخذ ہوا ہے۔ اسی طرح چند ایک مزید مثالیں یہ ہیں۔

1۔ تمام درخت سبز ہوتے ہیں۔

یہ ایک درخت ہے۔

لہٰذا یہ درخت سبز ہے۔

2۔ اس درخت کے تمام سرخ آم میٹھے ہیں۔

بالٹی میں اسی درخت کے سرخ آم ہیں۔

لہٰذا بالٹی میں تمام آم میٹھے ہیں۔

3۔ ایم۔اے کی تمام طالبات حاضر ہیں۔

جرا ایم۔اے کی طالبہ ہے۔

لہٰذا جرا حاضر ہے۔

اوپر دی گئی مثالوں میں تیسرا جملہ نتیجہ کے طور پر خود بخود برآمد ہوتا ہے جو منطق استخراجیہ کے اصولوں کے مطابق بالکل صحیح ہے۔ منطق استخراجیہ میں عموماً کل سے جز کا نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔

منطق استقرائیہ (Inductive Logic)

منطق استقرائیہ میں استدلال کی مادی صحت (Material Validity) کو جانچا جاتا ہے۔ نتائج احتمالات (Probables) پر مبنی ہوتے ہیں۔ چند ایک حقائق کا پتہ لگایا جاتا ہے پھر کل کے بارے میں نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ منطق استقرائیہ میں انفرادی حقائق سے عمومی حقائق کی طرف جاتے ہیں۔ حقائق کی تصدیق کی جاتی ہے۔ منطق استقرائیہ میں حقائق کے باہمی علتی رشتوں کو دریافت کرتے ہیں۔ جزوی حقائق کے مشاہدے کی مدد سے کلیہ، قضیے مرتب کیے جاتے ہیں۔ منطق استقرائیہ کی مثالیں درج ذیل ہیں: کہ

زید فانی ہے، بکر فانی ہے، اور عمر فانی ہے.....

لہٰذا تمام انسان فانی ہیں۔

منطق استقرائیہ کی اس مثال کو غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں ایک شخص کو مرتے ہوئے دیکھا، دوسرے کو مرتے ہوئے دیکھا، تیسرے کو مرتے ہوئے دیکھا، پھر ایک استقرائی زقند لگا کر کل کے بارے میں رائے قائم کر لی گئی۔

اسی طرح اگر ہم ایک دکان سے ایک قلم خریدتے ہیں وہ صحیح کام کرتا ہے، دوسرا قلم خریدتے ہیں وہ صحیح کام کرتا اور پھر تیسرا یا چوتھا قلم خریدتے ہیں اور وہ بھی صحیح چلتا ہے تو ہم عمومی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''اس دوکان کے تمام قلم صحیح کام کرتے ہیں''۔

منطق استقرائیہ میں پہلے حقائق کا مطالعہ کیا جاتا ہے، مادی صحت کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے پھر کلی یا عمومی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ مثلاً

ایک کوّا سیاہ ہے، دوسرا کوّا سیاہ ہے، تیسرا کوّا سیاہ ہے، چوتھا کوّا سیاہ ہے.....

لہٰذا تمام کوّے سیاہ ہوتے ہیں۔

یہ دوسرا جملہ عمومی نتیجہ ہے۔ جو منطق استقرائیہ کے اصول کے مطابق سامنے آیا ہے یا خود بخود قائم ہوا ہے۔ لیکن اس سے قبل کوؤں کے سیاہ ہونے کی تصدیق یعنی مادی صحت کو جانچا گیا ہے۔

(ii) جمالیات (Aesthetics)

جمالیات بھی معیاری علم ہے اس میں حسن و جمال کے معیار کا تعین کیا جاتا ہے۔ جمالیات ہمارے احساسات کے حسن و قبح سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ "خوب وزشت" کا معیاری نقطہ نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔

آنکھ ملکہ حواس ہے۔ اسی لیے آنکھ کے ذریعے حاصل کردہ علم کی اہمیت زیادہ ہے۔ کسی آرٹسٹ کی خوبصورت پینٹنگ، کسی شاعر کی کہی ہوئی نظم یا غزل ذوقِ جمال کی بہترین تسکین کرتی ہیں۔ آرٹسٹ اور شاعر جمالیاتی ذوق کی تسکین کے لئے عملی کاوش کرتے ہیں۔

جمالیات میں خوبصورت (Beautifull) اور بدصورت (Ugly) اشیا کی قدر و قیمت پر بحث کی جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ اشیا یقیناً ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی ہمیں نظر آتی ہیں اور بعض اوقات ہمارے مزاج، ذہنی الجھن یا پریشان کن مشکلات کی وجہ سے خوبصورت چیزیں اچھی نہیں لگتیں۔

جمالیات میں حواس سے حاصل کردہ کسی بھی طرح کے علم کی حسن و خوبی یا اس کے قبیح ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور معیار طے کیا جاتا ہے۔ مثلاً مری کی پہاڑیوں کے مناظر اچھے لگتے ہیں یہ ہمیں حسن جمال ہی بتاتا ہے۔ خوشبو کیوں بھلی لگتی ہے؟ یا بدبو کیوں بری لگتی ہے؟ یہ جمالیات ہی کے مسائل ہیں۔ کوئی آواز اچھی لگتی ہے یا شور برا محسوس ہوتا ہے یہ بھی جمالیات ہی کا موضوع ہے۔ یعنی حواس کے ذریعہ جو بھی ادراک حاصل ہوتا ہے اس کے حسن و خوبی اور دوسرے پہلو یعنی قبیح ہونے کا مطالعہ علم جمالیات کرتا ہے گویا کہ جمالیات وہ معیاری علم ہے جس میں تجزیہ و مشاہدہ کے ذریعے ہم حسن اور غیر حسن کا فرق کرتے ہیں۔ معیار حسن کیا ہے؟ اس کے لیے کونسے اصول کام کرتے ہیں؟ خوشی اور غمی کے احساس کے فرق کی بنیاد کیا ہے؟ جیسے خوشی کے لمحات میں ماحول بے حد خوشگوار ہوتا ہے گھڑیاں جلد گزر جاتی ہیں غمگین اور اداس ماحول میں وقت کاٹے نہیں کٹتا۔ اس طرح مضحکہ خیزی (Comic) کا تصور بھی جمالیات کے تحت آتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بعض اوقات گفتگو یا واقعاتی صورتِ حال میں مضحکہ خیز انداز اپنایا جاتا ہے۔ اس پہلو کا مطالعہ بھی جمالیات ہی کرتی ہے۔

(iii) اخلاقیات (Ethics)

اخلاقیات میں عمل کے معیار کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ خیر کیا ہے؟ شر کیا ہے؟ انسان کا کون سا کام صائب ہے اور کون سا غیر صائب ہے؟ کوئی شخص اچھے افعال کرتا ہے یا برے افعال اس کا فیصلہ اخلاقیات کرتی ہے۔

پروفیسر جان ڈیوی (Dewey) کے خیال میں "اخلاقیات وہ معیاری علم ہے جس میں کردار پر خیر و شر یا صواب و خطا کے نقطہ نظر سے بحث کی جاتی ہے"۔

انگریزی زبان کا لفظ (Ethics) یونانی زبان کے لفظ (Ethos) سے نکلا ہے۔ جس کے لفظی معنی عقائد و رسوم کے ہیں۔ گویا رسم و رواج کے علم کو بھی اخلاقیات کہا جاتا ہے اسی طرح لاطینی زبان کا لفظ (Moral) جو (Mores) سے مشتق ہے، کا مطلب بھی رسم و رواج ہے۔

اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص، گروہ، خاندان، قبیلہ یا قوم جس طرح کے رسم و رواج اپناتے ہیں اُسی طرح کی اُن کی اخلاقیات ہوتی ہے۔

اخلاقیات کا علم معیاری ہے یہ انسانی کردار کو خیر وصواب کے نظریہ سے پرکھتا ہے۔ اخلاقیات معاشرے میں پھیلی ہوئے غیر مربوط اور غیر مسلسل معلومات کو اکٹھا کر کے ایک سلسلے میں منسلک کرتا ہے۔ ان سے اصول اور کلیات وضع کر کے معیار و اخلاق طے کیا جاتا ہے۔ پروفیسر راجرس (Rogers) نے اپنی کتاب ''تاریخ اخلاقیات'' میں لکھا ہے کہ ''جو علم ایسے اصول بتاتا ہو جن سے انسانی کردار کے صحیح مقاصد کی حقیقی اور سچی قدر و قیمت کا تعین ہو سکے اس کا نام علم الاخلاق ہے''۔ اسی طرح پروفیسر للّی (Lillie) کا خیال ہے کہ ''اخلاقیات انسانی کردار کی معیاری (Normative) سائنس ہے کردار کا مطالعہ خیر و شر یا صواب و خطا کی حیثیت سے کرتی ہے''۔

انسانی کردار کے دو اہم پہلو ہیں ایک داخلی اور دوسرا خارجی۔ انسانی کردار کا داخلی پہلو مقاصد محرکات اور نیتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ کردار کا خارجی پہلو جسمانی افعال و اعمال پر مبنی ہوتا ہے۔ اخلاقیات میں کسی فرد کے افعال کے اچھے اور برے دونوں پہلو دیکھے جاتے ہیں۔ عام طور پر خارجی کردار کی نفاست اور ظاہری آرائش کو معیار اخلاق نہیں سمجھا جاتا بلکہ فرد کی نیت پر اس کے کردار کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح صورت کے ساتھ سیرت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ کردار کے خارجی پہلو کے بجائے داخلی پہلو کی اہمیت کہیں زیادہ ہے۔ اخلاقیات میں کسی شخص کے خارجی اور داخلی کردار کا اچھا یا برا ہونا جانچا جاتا ہے۔ اس لیے اسے معیاری علم کہا جاتا ہے۔

فلسفیانہ نہج (Philosophical Approach)

فلسفہ کا خصوصی موضوع اساسِ علم اور اساسِ وجود کو جاننا ہے۔ کائنات میں موجود ہر شے میں علتی رشتے تلاش کرنا ہے۔ تحقیق و تفحص کے اس انداز کو کسی بھی نظریہ یا شے کی تنقید و تجزیہ کی تہہ تک پہنچنا کہتے ہیں۔ حقائق کا پتہ لگاتے ہوئے سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ کیا، کیوں اور کیسے کے سوالات کا جواب تلاش کیا جاتا ہے۔ جہاں کہیں بھی ایسا طریق کار اختیار کیا جاتا ہے اسے فلسفیانہ نہج (Philosophical Approach) کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی فرد کسی بھی بات کو جیسی کہ ہے بغیر دلیل کے نہ مانے، تحقیق کا طریق کار اپنائے، علت و معلول کا رشتہ تلاش کرے، نئی نئی موشگافیاں کرے، ہر موضوع یا عنوان کے نئے معنی تلاش کرے، منطقی نتائج اخذ کرے، جذبات و احساسات کی رو میں بہنے کے بجائے عقل و استدلال سے کام لے، فکر کی ترویج و ترقی کا سوچے اور ہمیشہ اس کاوش میں لگا رہے کہ ہر نئی صورتِ حال سے نبرد آزما ہونے کے لئے عقل کا استعمال کرنا چاہیے تو سمجھ لیجئے یہ فلسفیانہ نہج ہے۔

فلسفیانہ نہج کا اپنا ہی طریق کار ہے۔ اس میں بنے بنائے نظریات کو آخری سمجھنے کی بجائے اسے رد کر کے نئے نظریات تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ ردِ فلسفہ بھی فلسفہ ہی کہلاتا ہے۔ فلسفہ مختلف علوم کے فراہم کردہ حقائق کو باقاعدہ نظام کے اندر متحد کرتا ہے۔ ان کی بنا پر ہمہ گیر نظریات پیدا ہوتے ہیں۔ فلسفہ حقائق کی ناقابل تحلیل و تحویل یا انتہائی ماہیت یا حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

فلسفیانہ نہج یہ ہے کہ جزیات سے آگے کائنات پر من حیث کل نگاہ ڈالی جائے۔ عقل و استدلال کے ذریعے ہر شے یا نظریہ کی انتہائی حقیقت دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔ کوشش سے مراد یہ ہے کہ فلسفہ میں نتائج کو حتمی نہیں مانا جاتا آئندہ آنے والے فلسفیوں کے لئے تنقید و تبصرے اور نشوونما کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ تعصب، تنگ نظری اور سطحی انداز فلسفے کا کام نہیں ہے بلکہ اس کا انداز بہت وسیع ہوتا

ہے۔فلسفے کی اہمیت بھی یہی ہے۔یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا کہ فلسفی سارے زمان ومکان کا ناظر ہوتا ہے۔

فلسفیانہ انداز نظر کی بنیادیں فکری سوالات پر مبنی ہوتی ہیں جس سے کسی بھی نظریہ یا تعقل کو تحقیقی طور پر جانچا جاتا ہے نتائج اخذ کرتے ہوئے منطقی طریق کار اپنایا جاتا ہے۔

تنقید/سوچ وبچار (Criticism/Speculation)

فلسفے کا سب سے اہم کام تجزیہ کرنا ہے۔تجزیہ کی مدد سے نظریات، تعقلات اور اشیا کو اجزا میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، کسی بھی فکر یا نظریہ کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔گویا تنقید ایک ایسا فن ہے جس کی بنیادیں فلسفہ مہیا کرتا ہے سائنسی اور سماجی علوم وفنون سے متعلق موضوعات مضامین پر تنقیدی انداز نظر سے بحث کی جاتی ہے۔

تفکر وتجسس انسان کی جبلّت میں ہے۔جس کی بنا پر جستجو وکاوش کی جاتی ہے۔عقلِ انسانی ہر دور میں افکارِ پوشیدہ سے حجاب اٹھاتی رہتی ہے۔ان حجابات کو عیاں کرنا اور سربستہ رازوں کو فاش کرنا فلسفے کا مقصود ومطلوب ہے۔فلسفہ ہمیں پوری کائنات کا احاطہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔بعض اوقات تشکیک کے انداز سے اور بعض دفعہ انکشاف ومعرفت کے درجوں سے علمی وفکری منازل طے کی جاتی ہیں۔مشکل سے مشکل مسائلِ زیست کی وضاحت صرف فلسفیانہ انداز ہی سے ممکن ہوتی ہے۔قدیم اقوام کے نظریات، فلسفہ یونان، مسلم فلسفہ، فلسفہ جدید اور پس جدیدیت تک سب ادوار میں مختلف نظام ہائے فکر بیان کئے گئے خداداد صلاحیتوں کے مالک فلسفیوں کی بصیرت اور سوچ وبچار سے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔

تمام مذاہب میں پیغمبرانہ فکر ونظر کی ابتدا سوچ وبچار اور تفکر سے ہوئی ہے۔خدا سے رابطہ ایک طرح سے فکری انتہا کی بہترین مثال ہے فلسفہ سوچ بچار ہی کی مدد سے توجیہات پیش کرتا ہے۔کائنات میں اگر کچھ موجود بھی ہے تو اس کی ماہیت، فطرت، قدر وقیمت، غرض وغایت کی وضاحت صرف فلسفہ ہی کرسکتا ہے۔زندگی، موت، زندگی بعد از موت، ارتقا، ابتدا اور انتہا، معاشرتی، معاشی، اخلاقی، سیاسی، علمی، سائنسی اور فکری جہتیں فلسفہ واضح کرتا ہے۔الفرڈ ویبر (Alfred Weber) کا خیال ہے کہ فلسفہ فطرت کے ایک جامع نقطہ نظر کی تلاش اور اشیا کی ہمہ گیر توجیہ کی کوشش کو کہتے ہیں۔

"Philosophy is a search for a comprehensive view of nature and attempt at a universal explaination."

اسی طرح مشہور مفکر ولیم جیمز (William James) کا کہنا ہے:

''فلسفہ واضح طور پر فکر کرنے کی ایک غیر معمولی ومستقل کوشش کا نام ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی نظر سے اوجھل حقائق کی فلسفہ ہی فکری انداز سے تشریح کرتا ہے۔فلسفیانہ سوچ وبچار اور تنقیدی طریق کار سے حقائق تلاش کیے جاتے ہیں۔

دنیا میں ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی ایسی ہستی ضرور موجود ہوتی ہے۔جو فکر کی کسی بھی شاخ کو سوچ بچار سے تخلیقی وتحقیقی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔طبیعیات، کیمیا، نباتیات، اخلاقیات، منطق، نفسیات، علمیات، فلکیات غرضیکہ کائنات کی علتِ اولیٰ دریافت کرنے کے لئے کسی

بھی علم میں فلسفیانہ سوچ بچار (Speculation) اور تنقید (Crtiticism) اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فلسفے کے بغیر کوئی علم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

1:۔ فلسفہ کی تعریف بیان کریں۔

2:۔ فلسفہ کا دائرہ کار کیا ہے؟

3:۔ فلسفہ کے اہم موضوعات کون کون سے ہیں؟

4:۔ فلسفہ کی اہمیت بیان کریں۔

5:۔ درج ذیل میں کسی دو پر نوٹ لکھیں۔

1۔قدریات 2۔علمیات 3۔وجودیات

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

1:۔ فلسفہ جدید کا بانی..... ہے۔

2:۔ منطق فکر کے قوانین کا..... کرتا ہے۔

3:۔ قدریات میں..... علوم کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

4:۔ فلسفی کا لفظ سب سے پہلے..... نے اپنے لئے استعمال کیا۔

5:۔ فلسفی نظریہ قائم کرتا ہے اور..... اس پر عمل کر کے آسائشات پیدا کرتا ہے۔

6:۔ فلسفہ کے دائرہ کار میں وجودیات، علمیات اور..... شامل ہیں۔

7:۔ احدیت کے نظریے کے مطابق کائنات کی ابتدا..... جوہر سے ہوئی ہے۔

8:۔ کائنات چار بنیادی عناصر سے مل کر بنی ہے۔ یہ یونانی فلسفی..... کا خیال ہے۔

9:۔ تجربیت پسندوں کا خیال ہے کہ انسان کا تمام علم..... ہوتا ہے۔

10:۔ منطق ایک معیاری علم ہے جو..... کی صحت کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

سوال 2:۔ ذیل میں دیئے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جوابات میں سے صحیح جواب کی نشاندہی کریں۔

1:۔ فلسفہ کے لفظی معنی ہیں۔

1:۔ جدید علم 2:۔ حب دانش 3:۔ حب سائنس 4:۔ قدیم سوچ

2:۔ درج ذیل میں سے یونانی فلسفی ہے۔

1:۔ ہیگل 2:۔افلاطون 3:۔الفارابی 4:۔نٹشے

3:۔ درج ذیل میں سے پہلا مسلم فلسفی ہے۔

1:۔سقراط 2:۔الکندی 3:۔صفوان 4:۔برگساں

4:۔ درج ذیل میں سے جدید فلسفہ کا بانی ہے۔

1:۔ارسطو 2:۔ڈیکارٹ 3:۔ابن سینا 4:۔سپنسر

5:۔ یہ کس نے کہا تھا۔ ''فلسفے کی ابتدا حیرانی سے ہوتی ہے۔''

1:۔ولیم جیمز 2:۔امام الغزالیؒ 3:۔افلاطون 4:۔ابن خلدون

6:۔ یہ کس نے کہا تھا۔ ''فلسفہ کی ابتدا شک سے ہوتی ہے؟''

1:۔تھیلیز 2:۔ڈیکارٹ 3:۔سارتر 4:۔سٹیس

7:۔ علم منطق کا تعلق کس سے ہے؟

1:۔استدلال 2:۔تحریر 3:۔تقریر 4:۔کاوش

8:۔ اخلاقیات میں بحث کی جاتی ہے۔

1:۔انسانی کردار کی 2:۔حسن و جمال کی 3:۔منطقی دلائل کی 4:۔علم کی

9:۔ درج ذیل میں معیاری علم کون سا ہے۔

1:۔کیمسٹری 2:۔منطق 3:۔ریاضی 4:۔جغرافیہ

10:۔ منطقی نتیجہ اخذ کرنے کے لئے جز سے کل کی طرف کس میں جایا جاتا ہے۔

1:۔استقرائیہ 2:۔استخراجیہ 3:۔اقدار 4:۔تحلیل

سوال 3: کالم ''الف'' اور کالم ''ب'' میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم ''ج'' میں درج کریں۔

کالم ''الف''	کالم ''ب''	کالم ''ج''
فلسفہ	بتدریج پختہ ہوتا جاتا ہے۔	
فلسفہ عصری	علم العلوم ہے۔	
منطق	پانی، مٹی، آگ اور ہوا ہیں۔	
انسان کا شعور	ام العلوم ہے۔	
فلسفے کا بنیادی کام ہی	انسان کی جبلت میں ہے	
یہ کائنات کے بنیادی عناصر	ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی	

فلسفے کے دو اہم افعال	کرنا ہی فلسفہ ہے	
سوچ و بچار اور فکر	سوالات اٹھانا ہے	
تعصب، تنگ نظری اور سطحی انداز	ترتیب اور تحلیل یا تجزیہ ہیں۔	
تفکر و تجسس	فلسفے کا کام نہیں ہے۔	

سوال 4:۔ ذیل میں فقرات میں سے صحیح و غلط کی نشاندہی کیجئے۔

1:۔ یونانی فلسفی افلاطون کا خیال ہے کہ فلسفہ کی ابتدا، حیرانی سے ہوتی ہے۔ صحیح/غلط

2:۔ فیثا غورث نے سب سے پہلے فلسفہ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ صحیح/غلط

3:۔ فلسفیانہ افکار ذہن کو مقفل کر دیتے ہیں۔ صحیح/غلط

4:۔ ڈیکارٹ جدیدیت کے مصروف فلسفیوں میں سے ایک ہے۔ صحیح/غلط

5:۔ فلسفی نظریہ قائم کرتا ہے اور سائنسدان اس پر عمل کر کے مشکلات پیدا کرتا ہے۔ صحیح/غلط

6:۔ سائنس علم کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی۔ صحیح/غلط

7:۔ تنقید ہو کہ تحقیق، ترکیب ہو کہ تخلیق سب کی بیاد میں فلسفہ مہیا کرتا ہے۔ صحیح/غلط

8:۔ ہربرٹ سپنسر کا کہنا ہے کہ سائنس جزوی طور پر جبکہ فلسفہ کُلی طور پر منظم علم ہے۔ صحیح/غلط

9:۔ ایمپیڈوکلیز کے خیال میں کائنات چار بنیادی عناصر یعنی جواہر سے مل کر بنی ہے۔ صحیح/غلط

10:۔ جمالیات ہمارے جذبات کے حسن و قبح سے تعلق رکھتا ہے۔ صحیح/غلط

11:۔ فلسفہ میں تنگ نظری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ صحیح/غلط

12:۔ جمالیات میں خوبصورت اور بدصورت اشیا کی قدر و قیمت پر بحث کی جاتی ہے۔ صحیح/غلط

13:۔ منطق استقرائیہ میں عمومی حقائق سے انفرادی حقائق کی طرف جاتے ہیں۔ صحیح/غلط

14:۔ کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے لوگوں میں خواہشات میں فرق نئے اور مختلف فلسفوں کو جنم نہیں دیتا۔ صحیح/غلط

15:۔ رسم و رواج کے علم کو بھی اخلاقیات کہا جاتا ہے۔ صحیح/غلط

باب2

فلسفہ اور مذہب (Philosophy and Religion)

انسان کو زندگی گزارنے کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طریقۂ کار، نظم یا لائحہ عمل عظیم ہستیوں کا وضع کردہ ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ اَن دیکھی ہستی یعنی خالقِ کائنات پر یقین رکھتے ہیں، اُسی کے احکامات مانتے ہیں اور پیروی کرتے ہیں۔ خدا کے احکامات، ہدایات اور زندگی گزارنے کے طریقے کو مذہب کہا جاتا ہے۔

مذہب ہمیں خدا کا انسان اور کائنات سے تعلق، ماضی کے واقعات، حال اور مستقبل کے لئے رشد و ہدایات اور اعلیٰ زندگی کا شعور عطا کرتا ہے۔ جس کے مطابق معاشرتی، ثقافتی، معاشی اور اخلاقی مسائل حل کیے جاتے ہیں۔

مذہب کی حقیقت کیا ہے؟ مذہب کیوں ضروری ہے؟ مذہبی قوانین میں کیا حکمت و دانائی پنہاں ہے؟ کیا مذہب لوگوں کی ضرورت ہے؟ کیا مذہب خدا کی طرف سے نازل کردہ احکامات پر مبنی ہوتا ہے یا پھر انسان نے خود ایسے اصول وضع کیے ہیں جنہیں مذہب کا نام دیا جاتا ہے؟ یہ تمام ایسے سوالات ہیں جن کے جواب صرف اور صرف فلسفی ہی دے سکتا ہے۔ ذہن میں پیدا ہونے والے دیگر سوالات کی طرح مذہبی موشگافیاں بھی فلسفے ہی کی مدد سے حل کی جاسکتی ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کے عنوان کے تحت وہ تمام موضوعات زیر بحث لائے جاسکتے ہیں جو انسان کو خدا اور کائنات سے تعلق پیدا کرنے میں راہیں متعین کرتے ہیں۔ یہ موضوعات ہی خالق حقیقی کی ہستی کا ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ مذہب دراصل وہ لائحہ عمل ہے جس کو اپنا کر انسان ان مسائل کا صحیح اور مناسب حل تلاش کر لیتا ہے جو ہمیشہ اسے فکری اور علمی میدان میں پریشان کئے رکھتے ہیں۔

مشہور فلسفی کانٹ (Kant) کے خیال میں ''ہر فریضہ کو خدائی حکم سمجھنا مذہب ہے۔'' اس سے مراد یہ کہ ہے تمام اعمال و افعال ایک عظیم ہستی کی رضامندی اور حکم کے مطابق سرانجام دیئے جائیں۔

فریڈرک شیلر (Friedrick Schieler) کے خیال میں ''ہر انفرادی شے کو ایک عظیم کل کا جزو سمجھنا اور ہر محدود شے کو لامحدود کا نمائندہ قرار دینا مذہب ہے۔'' مذہب کی اس تعریف میں بھی خدا کی بڑائی اور کبریائی کا اقرار کیا گیا ہے اور کائنات کی ہر شے کو اس کا حصہ بتایا گیا ہے۔ ہر شے کو محدود اور خدا کو لامحدود اس کی صفات کی بنا پر کہا گیا ہے۔ ''وہ ہر شے پر قادر ہے'' کا مفہوم فریڈرک شیلر کی بتائی ہوئی مذہب کی تعریف میں پنہاں ہے۔

ماہر نفسیات ہافڈنگ (Hoffding) کے خیال میں ''مذہب اقدار کے ثبات کا نام ہے۔'' یعنی مذہب بنی نوع انسان کے لیے ہر مستقل مثبت قدر کی ہمیشگی اور دوام کا دوسرا نام ہے۔ مذہب انسانی اقدار کے قیام اور ان کی حقیقت کو پائیدار بنانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مشہور مغربی ماہر نفسیات و مفکر ولیم جیمز (William James). کا خیال ہے کہ ''انفرادی اشخاص کے عالم تنہائی کے وہ

جذبات، اعمال اور تجربات جن کی بابت وہ سمجھیں کہ ان کا رشتہ اس شے سے ہے جسے وہ اپنی دانست میں خدا کہتے ہیں، مذہب کہلاتے ہیں۔''

پروفیسر وائٹ ہیڈ (Whitehead) نے ایک جگہ غور وفکر کے حوالے سے لکھا کہ ''انسان جو کچھ اپنی ذات کی تنہائی میں کرتا ہے وہ مذہب ہے۔'' اور اسی طرح دوسری جگہ وائٹ ہیڈ نے لکھا ہے کہ ''مذہب عقیدہ اور ایمان کی اس قوت کا نام ہے جس سے انسان کو اندرونی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے۔'' مزید یہ کہ ''مذہب عالمگیر وفا شعاری کا نام ہے۔''

پروفیسر وائٹ ہیڈ کی مندرجہ بالا تینوں تعریفوں میں انسان کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ مذہب کو ماننے والے کی نیت اور اس کے پاک عقیدے کا ذکر کیا گیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مذہب بندے اور خدا کے آپس میں تعلق سے متعلق عقیدے کا نام ہے۔ اس میں نیک نیتی اور خلوص دل سے بندہ اپنے خدا سے تعلق پیدا کرتا ہے۔

مذہب ایک ایسی ان دیکھی ہستی پر مکمل یقین اور اعتماد کا نام ہے جو ہر شے کی خالق و مالک ہے اور پھر مذہب کو ماننے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس ہستی کو اپنی مشکلات کا مداوا اور عظیم ہستی سمجھے۔ اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور اس کی خوشنودی اور رضا کے مطابق اپنی زندگی ڈھالے۔

ابتدائے زمانہ ہی سے انسان کو مذہب کی ضرورت رہی ہے۔ وہ ہمیشہ سے مذہب کا محتاج رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ایمان اور عقیدہ کی نوعیت بدلتی رہی ہے۔ دنیوی علوم انسان کو عقلی موشگافیاں اور جدید سے جدید تر نظریات مہیا کرتے ہیں لیکن قلبی سکون اور اطمینان مذہب کی راہوں پر چل کر ہی حاصل ہوتا ہے۔ مذہبی تجربہ انسان کو ایک ایسی دنیا سے روشناس کراتا ہے جہاں انسانی عقل پہنچ نہیں سکتی۔

ہافڈنگ کا کہنا ہے کہ ''انسان کا ایک ایسی قوت پر ایمان جو خارج میں اپنا وجود رکھتی ہے، کے ذریعے وہ اپنے جذباتی تقاضوں کی تسکین اور زندگی کا استحکام چاہتا ہے اور وہ اپنے اس ایمان کا مظاہرہ عبادت سے کرتا ہے۔''

ہافڈنگ کے خیال میں یہ بات پنہاں ہے کہ ایک ہستی ایسی موجود ہے جس سے انسان اپنا جذباتی رشتہ جوڑتا ہے۔ اسی کے سامنے جھکتا اور اسی سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دعا اور عبادت و پرستش کا سہارا لیتا ہے۔ انسان جب مذہبی عقیدے کو اپناتا ہے تو قدرتی طور پر جذباتی لگاؤ، تمام تر دلچسپیاں، ارادے، خواہشات اور سوچ بچار ایک خاص سمت میں ڈھل جاتی ہیں۔ انسان ہر لمحہ عقیدے کے لیے زندہ رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ زندگی ایک برتر ہستی کی دی ہوئی ہے۔ وقت آنے پر ضرورت کے تحت جس پر خود کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ہمیں اس عظیم ہستی یعنی خدا کا شعور مذہب سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کا مکمل شعور حاصل کرنا انسان کے بس میں نہیں ہے لیکن اسی کے احکامات اور فرمودات پر کاربند ہو کر انسان ایک مخصوص طرز حیات کو اپنا لیتا ہے۔ انسان محدود ہے اور خدا لامحدود ہے اس لیے لامحدود کی صفات کو کوئی محدود شے مکمل طور پر پا نہیں سکتی لیکن اس پر اعتقاد، اعتماد اور بھروسہ کرنا ہی اس کو جاننا ہے اور یہی صحیح راستہ ہے جسے مذہبی راستہ کہا جاتا ہے جو کہ نجات اور فلاح کی راہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب خوف کا نتیجہ ہے یعنی مختلف آفاقی مشکلات انسان کو خوفزدہ کر دیتی ہیں۔ بعض حوادث ایسے

حکمت: مفہوم اور دائرہ کار (Hikma; Meaning and Scope)

حکمت سے مراد علم وفکر سے پیدا ہونے والی بصیرت (Vision) ہے۔ جس کی مدد سے فکری منازل سے بھی آگے نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حسی ادراک، استدلال اور سوچ بچار اپنے مخصوص دائرہ میں ہمیں ہمہ قسم معلومات مہیا کرتے ہیں لیکن حکمت کا مقام ان سے افضل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ ''جسے حکمت عطا کی اسے بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا۔''

اس آیت مبارک میں حکمت کو وسیع معنوں میں بیان کیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے جو فلاح و بہبود اور بھلائی کی سب سے بڑی صورت بتلائی ہے وہ حکمت ہے۔ خدا نے اپنے خاص بندوں کو جن کی ذہانت درجہ کمال پر ہوتی ہے جن کا ذہانتی حاصل قسمت فطانت کے درجے کا ہے۔ انہیں سوچنے سمجھنے اور فکر کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اس سے بڑھ کر دانائی اور حکمت کی دولت بخشی ہے۔ اس دولت کا جو مالک ہے، وہ یقیناً بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کی آیت مبارک ہے:

ترجمہ: ''تو پاک ہے۔ ہم کو کوئی علم نہیں لیکن وہ جو تو نے ہم کو سکھایا، بے شک تو جاننے والا حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیغام دیا ہے کہ انسان اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم جانتے نہیں ہیں۔ علم نہیں رکھتے۔ اے اللہ تو ایسی پاک ہستی ہے کہ تو نے ہی ہمیں علم دیا اور سکھایا۔ ہم تو علم نہیں رکھتے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے پہلے بیان کردہ آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حکمت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے۔ سورۃ بقرہ کی اوپر درج آیت مبارکہ کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو مفہوم کچھ یوں بنتا ہے کہ اللہ جو حکمت والا ہے، اس نے اپنی حکمت والی صفت انسان کو بھی عطا کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو متعدد خوبیوں اور صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ انسان انہی صلاحیتوں، اہلیتوں اور قابلیتوں کی بنا پر اشرف المخلوقات ہے۔ وہ ذہن اور ذہانت کی بنا پر استدلال کا فن جانتا ہے۔ اس کی پرواز قوت متخیلہ کے زور پر بلند سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالآخر انسان خدا کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ یہی وہ صلاحیت ہے جسے خدا نے حکمت کہا ہے۔ اسی حکمت کی وجہ سے خدائی احکام کو سمجھا جاتا ہے۔ انسان موجودات کے اسرار و رموز سے پردہ ہٹا لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مسلمانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ کتاب کی منشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔ لوگوں میں انفرادی اور اجتماعی طور پر خوبیوں کو اجاگر کریں اور برائیوں کو دور کریں۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے کہ خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔

ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ایسے ہی مفہوم کی آیات مبارکہ موجود ہیں۔ ان آیات مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید پڑھ کر سنانے کے علاوہ نبی کے فرائض میں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا بھی شامل ہے۔

حکمت ودانائی سکھانا ایک عظیم کام ہے۔ جو فرد بھی اس منصب پر فائز ہے، وہ یقیناً خود بھی عظیم ہے۔ حکمت سکھانا گمراہی کے اندھیروں سے نکالنا ہے۔ جہالت کی گہرائیوں سے نجات دلانا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ جمعہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: "وہ (خدا) وہی تو ہے جس نے اُمیوں میں انہیں میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

ان آیات مبارکہ سے واضح ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ایک ایسی صلاحیت رکھی ہے جس کی مدد سے وہ علمی وفکری معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کے بارے میں جس طرح تعلیم دی گئی، اسی طرح حکمت ودانائی بھی سکھائی گئی ہے۔ حکمت کے اصول بتائے جاتے ہیں اور حکمت سکھائی بھی جاتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لوگوں میں سے درجہ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ اہل علم اس وجہ سے کہ انہوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو رسول لائے تھے اور اہل جہاد اس وجہ سے کہ انہوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلواروں سے جہاد کیا۔"

علاوہ ازیں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ جو حکمت ودانائی کی تعلیم حاصل نہیں کرتے، ذہانت یا عقل ودانش کی نعمت سے بہرہ ور ہوتے ہوئے بھی اس سے استفادہ نہیں کرتے، وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی کم تر۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: "وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔"

سوچ بچار اور فکر وتدبر انسان کو علم وآگہی کی نئی دنیا دریافت کراتے ہیں۔ حکمت رکھنے والا کبھی اندھے اعتقاد پر عمل نہیں کرتا بلکہ حکمت و اہمیت اجاگر کر کے تفہیم کے درجے تک پہنچتا ہے۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔ خدا جسے چاہتا ہے اس عظیم نعمت سے نوازتا ہے۔ جس سے انسان کی عزت وتکریم میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلام کی فکری اساس (Conceptual Basis of Islam)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حق کی دعوت کے بارے میں یہ ہدایت کی تھی کہ دنیا کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ضرورت کے وقت بہترین انداز سے بحث ومباحثہ کرو۔ اسلام کی فکری اساس حکمت ودانائی اور اس کی اصلیت وحقیقت ہے۔

قرآن مجید میں بھی دعوت حق پیش کرنے کے لیے بہترین اور معیاری زبان، انداز، اسلوب اور طرزِ استدلال اختیار کیا ہے، قرآن مجید میں بار بار غور وفکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں فکری جہاد کا ذکر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: تم ان منکرین اسلام کا کہنا نہ مانو اور قرآن کے ذریعے ان سے پورا پورا جہاد کرتے رہو۔" (الفرقان)

اس آیت مبارکہ کا مطلب قرآن کے ذریعے جہاد کا مطلب قرآنی دلیلوں کو پیش کرنا ہے۔ اس طرزِ استدلال کے ذریعے اپنی بڑائی اور مخالفین کی کمزوری واضح کرنا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ زندگی کا مکمل لائحہ عمل ہے۔ فکری سطح پر اسلام میں پائی جانے والی حکمت و دانائی ہی اس کی اصلیت و حقیقت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں بار بار غور و فکر کرنے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

اسلام ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے جو خدا اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی رشد و ہدایات کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر کرتا ہے۔ ہر پہلو کو خدا کے نور سے منور کرتا ہے۔ انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، تمدنی، مادی، روحانی، سیاسی، قومی اور بین الاقوامی ہر سطح پر اسلام فکری بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ انہی خصوصیات کی بنا پر ہی اسلام حقیقی دین ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

ترجمہ: ''بے شک خدا کے نزدیک تو اصل دین اسلام ہے۔'' (آل عمران)

اسلام کی فکری اساس کا سب سے اہم پہلو ایمان ہے جس کے بغیر ہر عمل بے بنیاد ہے۔ ایمان کے بغیر عمل کی بنیاد کسی بلند اور صحیح فکر پر قائم نہیں ہو سکتی۔ ایمان کے بعد دوسرا اہم اصول نیت یا ارادہ ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لے آتا ہے لیکن اعمال صالح کے لیے نیت نہیں کرتا تو اس کا ایمان پختہ نہیں ہے۔ حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (بخاری)

علم و عمل، تصور و فعل، عقلیت و عملیت کی صحیح تصویر اسلام میں نظر آتی ہے۔ اصلی زور انسان کی عملیت پر دیا گیا ہے۔ بعض اوقات انسان کی تفہیم میں حیرانی کی صورت پیدا ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ وہ کسی شے کی حقیقت سمجھ نہ سکے۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تمہیں بھلی لگے اور وہ تمہارے لئے ضرر رساں ہو اور ان باتوں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اللہ تعالیٰ عالم اور علیم ہے۔ اللہ نے قرآن مجید کے ذریعہ سے اسلامی تعلیمات اور حقیقت کا علم لوگوں تک پہنچایا ہے۔ قرآنی آیات پر غور و فکر کرنا ان کی حقیقت جاننے کے لیے لوگوں کو دعوت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی۔ اس لیے کہ جو کچھ لوگوں پر نازل کیا گیا ہے ان پر ظاہر کر دو تا کہ وہ غور و فکر کریں۔''

اسلام میں دنیوی تعلیم کے ساتھ جو ہمہ گیر نظام زندگی پیش کیا ہے، وہ انسان کی دنیاوی فلاح کا بھی اتنا ہی ضامن ہے جتنا اُخروی فلاح کا۔ یہ ایک متوازن نظام حیات مرتب کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کو عظیم مقام دیا ہے۔ خدا اعلیٰ صفات کا مالک ہے۔ اس نے انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب مقرر کیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا پرتو انسان میں ظاہر کیا ہے۔ اس بنا پر انسان اشرف المخلوقات ہے کہ وہ جملہ مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جس میں خیر ہی خیر ہے۔ عقائد، ارکان اسلام اور عبادات سب کے پیچھے فکری اصول و ضوابط پنہاں ہیں۔ یہ اصول اسلام کے لیے فکری بنیادیں مہیا کرتے ہیں۔ نماز قائم کرنے کی تلقین کی ہے تو اس کے فوائد بھی بیان کیے ہیں۔ روزہ، حج، زکوٰۃ سب کی اپنی اپنی حیثیت و اہمیت ہے۔ غور و فکر کرنے والے ہی ان اصولوں کو سمجھ پاتے ہیں۔

اسلام کا مقصد کائنات کی جملہ مخلوقات کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ نباتات، حیوانات اور انسانوں کا الگ الگ مقصدِ تخلیق ہے۔ خدا نے سب کی درجہ بندی کے مطابق حیثیت کا تعین کیا ہے کسی کو بھی تکلیف اور الجھن میں مبتلا نہیں کیا۔ جانوروں سے پیار سے پیش آنے کی

ہدایت کی گئی ہے۔اس میں حکمت یہی ہے کہ جانداروں کے لیے تکالیف میں کمی کی جائے اور آسانیاں پیدا کی جائیں۔

توحید (Tauhid)

عقیدہ توحید سے مراد اللہ پر ایمان لانا ہے اور اسے ایک ماننا ہے جو تنہا زمین اور آسمان کے تمام خزانوں کا مالک ہے جس کا فضل و کرم بے حد و حساب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

ایک اللہ پر ایمان لانا، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اسلام میں لازمی شرط ہے۔اس ایک ہستی کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔توحید کا عقیدہ انسان کو اللہ کے قانون کا پابند بناتا ہے۔اس عقیدے کو ماننے والا جانتا ہے کہ اللہ ہر چھپی اور کھلی چیز سے باخبر ہے۔ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

مسلمان ہونے کے لیے ایک اللہ پر ایمان لانا اوّلین شرط ہے۔باقی تمام اعتقادات اس کے بعد آتے ہیں۔رسول پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ملائکہ پر اس لیے ایمان ہے کہ وہ خدا کے ملائکہ ہیں۔موت اور آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ **اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب** ہو۔ایسا کرنے سے انسان باہمت ہو جاتا ہے۔خوف اور اندیشے ختم ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''پھر جب میری طرف سے کوئی ہدایت (دین و شریعت) آئے تو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو ایسے لوگوں کو نہ تو کچھ خوف و اندیشہ ہوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔'' (البقرہ)

ایک خدا پر ایمان لانے والے کو جب کوئی مشکل گھڑی درپیش ہو تو وہ اسی سے مدد مانگتا ہے۔خدا اپنے بندے کی پکار سنتا ہے کیونکہ وہی واحد آقا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''مجھے پکارو (دعا کرو) میں تمہاری درخواست (دعا) کو قبول کروں گا۔''

خدا وحدہٗ لاشریک ہے۔وہ ہر شے کا خالق، مالک اور پروردگار ہے۔ہر شے اس کی محتاج ہے اور وہ کسی شے کا محتاج نہیں ہے۔اس کا کوئی ساتھی نہیں، کوئی معاون نہیں، کوئی شریک کار نہیں۔یہی اس کے ایک ہونے کی حکمت ہے کہ وہ یکتا ہے اور پورے نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے بھی اس کے واحد و قادر ہونے کا پتہ چلتا ہے:

ترجمہ: ''اے پیغمبرؐ! کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کے آگے سر جھکانے والا ہوں۔'' (الانعام)

اللہ اپنے بندوں کو کبھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔حکیم ہے۔عالم ہے۔وہ سب کچھ جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔جاننے کے لیے درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔وہ دلوں کے بھید اور نیتوں کے ہر گوشے سے واقف ہے۔وہ ماضی، حال اور مستقبل کا پورا علم رکھتا ہے۔پھر وہ صاحب قوت بھی ہے۔

عقیدہ توحید انسان میں انتہا درجے کی خودداری اور عزتِ نفس پیدا کرتا ہے۔انسان کو آزادی اور حریت کا بلند مقام بخشتا ہے۔ایک خدا تمام طاقتوں کا مالک ہے۔اس کے علاوہ کوئی صاحب اختیار اور بااثر نہیں۔عقیدہ توحید انسان کو خدا کے سوا تمام قوتوں سے بے نیاز اور بے خوف کر دیتا ہے۔وہ صرف خدا ہی کو مالک و آقا مانتا ہے۔عقیدہ توحید سے انسان میں قناعت، بے نیازی، عزم و حوصلہ، نفس میں پاکیزگی،

صبر و توکل اور بہادری کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

عقیدہ توحید کی رو سے اللہ کی لاتعداد صفات ہیں تاہم صفات کے ساتھ وہ خود ایک ہے اور بلاشرکت غیر کائنات پر مکمل اختیارات رکھتا ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین اس کی قدرت میں کوئی شریک کار ہوتا تو یہاں بہت سے ارادوں اور ذہنوں کی کارفرمائی کے نتیجے میں کائنات میں توافق اور تناسب ہرگز نہ ہوتا۔ کائنات میں یکسانیت اور وحدت صرف اور صرف ایک خدا کے ہونے کی وجہ سے ہے۔

اتحاد (Unity)

انسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور مل جل کر زندگی گزارنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں اتحاد و یکجہتی سے افراد کا دیگر افراد سے خوشگوار تعلق پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان دوسروں کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ فطری طور پر مدنی الطبع ہے۔ اس فطرت میں اخوت و بھائی چارے کی فضا کا ہونا ضروری ہے۔ اخوت و بھائی چارے کی بنا پر معاشرتی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اتحاد سے انفرادی و اجتماعی طور پر حوصلہ بڑھتا ہے۔ اسی حوالے سے اسلام کا ملت کا تصور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے اور مذہب کے تعلق سے لوگوں میں اخوت، بھائی چارے اور اتحاد کا تعلق استوار کرتا ہے۔ دشمن کا مقابلہ بھی متحد ہو کر ہی کیا جا سکتا ہے۔ قدرتی آفات، جنگ و جدل، وباؤں اور دیگر مشکلات و مسائل سے نپٹنے کے لیے اتحاد و یکجہتی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اگر کسی قوم کے افراد بکھرے ہوئے ہوں، تو ضرورت کے وقت کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ جس طرح پانی کے ایک قطرے کی علیحدہ کوئی خاص حیثیت نہیں ہوتی، لیکن جب وہ دوسرے قطروں کے ساتھ مل جاتا ہے تو سمندر بن جاتا ہے، اسی طرح اکیلا فرد کمزور ہوتا ہے لیکن جب قوم میں اتحاد و یکجہتی ہو تو وہی فرد طاقتور بن جاتا ہے۔ اسی لئے اسلامی تعلیمات میں اتحاد و یکجہتی پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اتحاد کی تعلیم کی مثال اس آیت مبارکہ میں اس طرح دی گئی ہے:

ترجمہ: ''اور سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔'' (آل عمران)

کوئی شخص تنہا زندگی کی عظیم ذمہ داریوں سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ مشکلات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ منفی طاقتوں سے لڑ نہیں سکتا، جب تک وہ قوم کے ساتھ متحد اور ہم نوا ہو کر کام نہ کرے۔ حدیث مبارکہ ہے: ''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا ہے جیسے دیوار، کہ ہر جزو (اینٹ) دوسرے جزو کو تقویت پہنچاتا ہے۔''

اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے ایک عقیدے اور ایک اخلاقی ضابطے کو ماننے والوں کا متحد ہونا ضروری ہے۔ اگر اتحاد ہو گا تو معاشرہ مضبوط ہو گا۔ اس کی بنیاد پر عالمگیر برادری کا تصور عملی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

اسلام کی یہ تعلیم بھی ہے کہ نیکی کے کاموں میں اتحاد کرنا چاہیے، برائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنے سے منع کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

ترجمہ: ''بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ظلم اور گناہ کی باتوں میں ہرگز باہمی امداد و تعاون نہ کرو۔'' (المائدہ)

متحد ہونے میں برکت ہے۔ اتحاد (Unity) لوگوں میں بھی ہوتا ہے اور قوموں میں بھی۔ ایک کہاوت ہے کہ اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو وہ شیر کی کھال اتار سکتی ہیں۔ ایسے ہی اگر لوگوں میں اتحاد ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑے مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔

اتحاد کا نفسیاتی پہلو یہ ہے کہ ہر کوئی حوصلہ سے کام لے کر اور اپنی صلاحیتوں کو یکجا کر کے اپنی شخصیت کو مضبوط بنا سکتا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اتحاد و یکجہتی کا درس دیا گیا ہے۔ جس سے احساسِ ذمہ داری اور خیر کے کاموں میں مسابقت بڑھتی ہے۔ خیر خواہانہ فضا قائم ہوتی ہے اور لوگ رذائل کی نفی اور فضائل کا اثبات کرتے ہیں۔ خیر اور بھلائی کو اپناتے ہیں۔ یہی اسلامی تعلیمات کی تلقین ہے۔

استحکامِ آدمیت (Solidarity of Mankind)

اسلام کی فکری بنیادوں ہی کی ایک کڑی استحکام آدمیت ہے جب انسانیت کا احترام ہوگا، فرد اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرے گا، اپنے ہونے کا احساس دلائے گا تو آدمیت کے تصور کو استحکام حاصل ہوگا۔ استحکام آدمیت کے لیے قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں۔ جن کی تعلیمات کی روشنی میں آدمیت (Mankind) کے احترام اور عزت نفس (Self-respect) سے ابتدا کی جاتی ہے۔

احترام خودی ابتدائی عمل ہے۔ دوسرا مرحلہ استحکام آدمیت ہے۔ انسانی خودی کی تکمیل اس کی اپنی خوبیوں سے ہوتی ہے۔ ان خوبیوں کو بطریق احسن استعمال کرنے والی خودی مستحکم ہوتی ہے۔ خدا پر ایمان، رسول پر ایمان اور پھر خدا اور رسول کے بتائے ہوئے راستے کو اپنانا استحکامِ آدمیت کے لیے لازمی ہے۔ اسلام میں اس نقطہ نظر کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ زندگی کا مقصد خدا کی خوشنودی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انسان کے دل میں فطری طور پر ایک امنگ یا جستجو ہوتی ہے۔ خدا اور رسول سے محبت خودی کو مستحکم کرتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''ان سے کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری متابعت کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا۔'' (۳۔۳۹)

ترجمہ: ''اور جو لوگ ایمان لائے، وہ اللہ کے ساتھ سخت محبت رکھتے ہیں۔'' (۲۔۱۶۰)

اللہ سے محبت سے مراد اس کے احکام ماننا ہیں۔ ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ استحکام آدمیت بھی یہی ہے کہ انسان اسلامی تعلیمات پر پورا اترے۔ ان تمام تقاضوں کو پورا کرنا بھی انسان کی ذمہ داری ہے جو مقصد تخلیق کی تکمیل کرتے ہیں۔ انسان کا مقصد تخلیق انسانیت کی بھلائی، بڑائی اور اعلیٰ مقام حاصل کرنا، کائنات کو تسخیر کرنا ہے کیونکہ عالم افراد کے لیے ہیں نہ کہ افراد عالم کے لیے۔

رسالت (Prophethood)

رسالت وہ وسیلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو جانا جاتا ہے۔ انسان کو الہامی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول لوگوں کی رہنمائی کے لیے بھیجے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اس دنیا میں جس انسان کو بھیجا وہ پیغمبر آدمؑ تھے۔ لوگوں کو اللہ کے پیغامات پہنچانے اور ان کی راہنمائی و ہدایت کے لیے ہزار ہا رسول دنیا میں تشریف لائے جن میں سے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سے ہم آگاہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے رسول کا انتخاب خود کرتا ہے۔ رسالت کے لیے انتخاب ایسے افراد کا ہوا تھا جو خدا کے نزدیک اس عظیم مقصد و منصب کے لیے موزوں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی ہے۔'' (الانعام 125)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی، راہنمائی اور ہدایت کے لیے رسول پاکؐ کی ذات میں ایک مثالی حیثیت رکھی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''بلاشبہ تمہارے لئے رسولؐ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔''

رسول پاک ﷺ نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ عقائد، عبادات اور اخلاقیات پر عمل کر کے دکھایا۔ رسول کی زندگی انسانوں کے لیے ایک ایسی مثال ہے جس کو سامنے رکھ کر وہ اپنے ہر قسم کے مسائل کا حل تلاش کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے احکام اور مرضی کے مطابق بندگی اور اطاعت کرانا چاہتا ہے۔ ان احکام و اوامر کا پتہ انسان کو اللہ کے مبعوث کیے گئے رسولوں سے ہی چلتا ہے۔ خود انسان اپنی عقل سے ان احکام کو حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اور وسیلہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے نظریۂ رسالت کی حکمت یہ ہے کہ رسول وجدان اور عقلی قوت سے ماوراوحی کے ذریعے اللہ کے احکام حاصل کر کے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس طرح جو ذمہ داری انسان کو اللہ کے دین پر چلنے کی سونپی گئی تھی، اس کا رسولوں اور انبیاء کے ذریعے پورا انتظام کر دیا گیا۔ اس ضروری انتظام کو دین کی اصطلاح میں رسالت کہتے ہیں اور جس وسیلہ سے یہ انتظام ہوتا ہے، اس ہستی کو رسول یا نبی کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احکام کے علاوہ ذات وصفات باری تعالیٰ اور آخرت کی زندگی کے بارے میں جاننے کے لیے رسول ایک اہم وسیلہ ہیں۔ رسالت ہی وہ ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور آخرت کا صحیح علم عطا کرتا ہے۔ رسول کے دیئے ہوئے پیغام کی بنیاد پر ہی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا جاتا ہے۔

زندگی، موت، زندگی بعد از موت کے مشکل مذہبی مسائل کو بھی رسول پاکؐ کی ہدایات کی روشنی میں جانا جاتا ہے۔ اس طرح عوام الناس کا راہ راست سے بھٹکنے کا امکان نہیں رہتا۔ وہ گمراہی سے بچ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے لئے خدا نے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کو دین اسلام اور شریعت نافذ کرنے کے لیے مبعوث کیا جو پیغامات اور احکاماتِ الٰہی حضور پاکؐ نے دیے، وہ ہدایت ربانی کے تابع تھے۔ اس میں ان کی مرضی یا ارادہ شامل نہیں تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔'' (النجم)

ہر قوم کو خبردار کرنے کے لیے پیغمبر آئے تاکہ اس قوم کو ہدایات دی جا سکیں۔ راہِ راست پر رکھا جا سکے۔ رسول اسی لیے بھیجے گئے تاکہ اطاعت خداوندی ہو۔ خدا کی مرضی کے مطابق اس کے احکامات پر عمل کیا جائے۔ اس کے احکامات میں بہت زیادہ حکمت و دانائی پنہاں ہوتی ہے لیکن لوگوں کو ان کی مصلحت یا حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے، ان کی تعمیل کرنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا اسی لیے کہ اذنِ خداوندی کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔'' (النساء)

اسلامی تعلیمات کا اہم اصول جس پر باقی تمام تصورات کی بنیاد قائم ہے، وہ نظریہ رسالت ہے۔ اس طرح رسول کی اطاعت کرنا در اصل اللہ کی اطاعت ہے کیونکہ رسول پاکؐ نے دین و شریعت کے دائرے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سب کا سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ یوں رسول پاکؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی۔''

رسول کا منصب ہی یہ ہے کہ نیکی کی ہدایت کی جائے اور برائی سے منع کیا جائے۔ سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ رسول پاک کو اپنے ہی

لوگوں میں مبعوث کیا گیا۔ یہ اللہ کا لوگوں پر بڑا احسان ہے۔ لوگ اپنے جیسے بشر کی بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام یعنی وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں اور حکمت کی تعلیم رسول ہی دیتا ہے۔ رسول پاک حضرت محمد ﷺ کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا کیونکہ انسان اس قابل ہو چکا تھا کہ وہ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے مطابق عقل و خرد کی روشنی میں حضورؐ کی دی ہوئی تعلیم کی خود تفہیم و تعبیر کر سکیں۔

حضرت محمد ﷺ کو خدا نے پوری انسانیت کے لیے رسول بنا کر بھیجا۔ قرآن مجید میں تمام زمانوں کے تقاضوں کی تکمیل پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اور اسوۂ حسنہ سے ان تعلیمات کے عملی پہلو کو روشن کر دیا۔ اس طرح پوری انسانیت کی بھلائی کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: ''کہہ دو! اے لوگو! میں تم ساری دنیائے انسانیت کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔'' (الاعراف)

حضور پاکؐ نے اخلاق، معاشرت، معیشت، سیاست اور انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں کے قوانین احکام الٰہی کی روشنی میں مرتب کیے۔ کوئی شخص بھی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید اور رسالت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ایسا کرنے سے انسان کا طریقِ زندگی یکسر تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ عقیدوں کی پختگی کی بنا پر احساسِ ذمہ داری سے اللہ اور اللہ کے رسول کا تابع فرمان ہو جاتا ہے۔

رسول پیشوا، نمونہ تقلید، معلم و مربی، شارع، قانون ساز اور قاضی جیسی بے شمار حیثیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ جب لوگوں کو رشد و ہدایت دیتا ہے تو وہ اس پر دلجمعی سے عمل کرتے ہیں۔

معاشرتی انصاف (Social Justice)

معاشرتی انصاف سے مراد یہ ہے کہ معاشرے میں ہر پہلو سے میانہ روی اختیار کی جائے اور کسی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ ہو۔ لوگوں کے حقوق پورے ہوں اور وہ اپنی محنت کا پھل اور صلاحیتوں کے مطابق صلہ پائیں۔ معاشرتی انصاف ہی وہ طریقہ کار ہے جس سے معاشرے میں توازن قائم کیا جا سکتا ہے۔

معاشرتی انصاف اسلامی تعلیمات کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ کہ پورے معاشرے میں عدل و انصاف کا بول بالا ہو۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکا نہ کریں۔ انسان خود بھی اپنی صلاحیتیں استعمال کرے۔ ناانصافی سے بے راہ روی پھیلتی ہے۔ اس طرح عقیدہ میں بھی ناپختگی آتی ہے۔

توحید اور نظریہ رسالت پر ایمان لانے والے معاشرے انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں میانہ روی اختیار کی جائے کیونکہ میانہ روی ہی عدل ہے۔ نہ تفریط کا شکار ہوا جائے اور نہ ہی افراط کا کیونکہ ایسا کرنے سے انصاف نہیں ہو سکتا۔ عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص جتنا حق رکھتا ہو، اسے اتنا ہی ملے۔ نہ اس سے زیادہ اور نہ کم۔ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے اور ضرورت کے تحت قانون کے مطابق حصہ ملے۔

اسلام میں ایسے معاشرے کے قیام کی تلقین کی جاتی ہے جس میں رنگ و نسل کے اختلافات اور تعصبات سے پاک ماحول ہو۔ عدل و انصاف اور عالمگیر برادری کی خوشبو آئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں افراد ہمدردی، بھائی چارے اور انسانیت کے رشتے سے منسلک ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''وہ لوگ جو مومن ہیں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' (الحجرات)

ترجمہ: ''بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ظلم اور گناہ کی باتوں میں ہرگز باہمی امداد و تعاون نہ کرو۔'' (المائدہ)

معاشرتی انصاف (Social Justice) کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کی جائے۔ مخالفت اور جھگڑے میں نہ پڑا جائے۔ بھائی چارے اور انسانیت کے رشتوں کا ہر پہلو سے لحاظ رکھا جائے۔

خاندان سب سے پہلا اور چھوٹا معاشرہ ہے۔ اپنے گھر میں بھی انصاف کرنا چاہیے۔ ہر کردار کو اپنا حصہ ڈالنا چاہیے۔ کسی ایک پر ذمہ داری ڈال کر خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا ناانصافی ہے۔ اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا بھی انصاف ہے اور یہی انداز اور طریق کار پورے معاشرے میں اپنایا جائے تاکہ لوگ عدل و انصاف کے ماحول میں بہتر طور پر اور مثالی زندگی گزار سکیں۔ معاشرے میں عمومی فضا حقیقی طور پر خیر خواہی کی فضا ہو۔ تعاون، امداد، اشتراکِ عمل، ایثار اور بھائی چارے کا انداز اپنایا جائے۔ مثلاً مکہ مکرمہ سے جب حضور پاک ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو ان کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کیا گیا۔ مہاجرین کے لیے اپنے گھر اور مال وقف کر دیا۔ مدینہ والوں نے جس محبت اور خلوص سے ان کے معاشرتی اور معاشی مسائل کو حل کیا، ایسے ہی معاشرتی انصاف کی ہدایت کی گئی ہے۔

انسان کو ہمت و کوشش سے زندگی کے مسائل سے نپٹنا چاہیے۔ کوشش کرنا ہی اہم شرط ہے۔ اس سے پورے معاشرے میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ ہر کسی کو ذمہ داری سے زندگی گزارنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

ترجمہ: ''انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔'' (النجم)

اسلامی معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے مطابق جذبہ عمل کو بیدار کر کے اعمالِ صالح کرنے کا احساس پیدا کیا جاتا ہے۔ معاشرتی انصاف سے بھوک، افلاس، بیماری، وبا اور دیگر برائیوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ فرائض سے پہلے لوگوں کے حقوق پورے کیے جائیں تاکہ وہ اپنی حیثیت اور عمل کے مطابق حق حاصل کر کے بہتر طور پر فرائض کی ادائیگی کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''ہم نے اپنا رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔'' (الحدید)

انسانی معاشرے میں عدل و توازن الہامی ہدایت کے مطابق بہتر طور پر قائم ہو سکتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں توازن پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں میں اعتدال اور توازن پیدا کرنا ہی معاشرتی انصاف ہے۔

رواداری (Tolerance)

انسان کی سب سے بڑی قوت برداشت اور رواداری ہے۔ یہ انسان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو قوی تر بناتی ہے۔ اسلامی تعلیمات اپنی جبلتوں کو کنٹرول کرنے کا درس دیتی ہیں۔ دوسرے کی بات سننے اور تحمل و بردباری سے مسائل و مشکلات میں سے گزرنے کا فن صرف قوت برداشت سے ممکن ہے۔ اس کو ضبطِ نفس بھی کہا جا سکتا ہے۔ ضبطِ نفس کا مطلب انسان کی خود سر جبلتوں کو کنٹرول کرنا ہے۔ قرآن مجید میں نفس انسان کی تین قوتوں کا ذکر آیا ہے۔ قوتِ غضبیہ، قوتِ شہویہ اور قوتِ ناطقہ۔ ان تینوں قوتوں کو اعتدال میں رکھنا اہم کام ہے۔

ہم پانچ ارکانِ اسلام توحید، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی کر کے قوتِ برداشت کی تربیت کر سکتے ہیں۔

اسلام میں مسلمان کو عفو و درگزر کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ عفو سے مراد ہے کہ دوسرے کی خطا اور قصور معاف کر دیا جائے۔ انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے بھی بخش دیا جائے۔ لیکن اس سے مراد کمزوری نہیں بلکہ اپنی غلطیوں پر نادم ہونے والے کو معاف کر دینا بڑائی ہے۔ کیونکہ انتقام کی آگ بجھانے کے لیے مخالف کو ختم کرنا یا پچھاڑنا بڑائی نہیں ہے، بڑائی اس میں ہے کہ عفو و درگزر سے کام لے کر قوت برداشت اجاگر کی جائے۔ اس سے انسان کے نفس کی تربیت ہوتی ہے اور وہ پہلے سے بہتر شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔

رواداری ایک ایسی صلاحیت ہے جس کی بنا پر انسان مشکل سے مشکل مرحلے کو سر کر سکتا ہے۔ تحمل و بردباری سے ذہنی سکون اور اطمینانِ قلب میسر آتا ہے۔ رواداری (Tolerance) سے انسان نفسیاتی طور پر پختہ اور مضبوط قوتِ ارادی کا مالک بن جاتا ہے۔ اس طرح فشارِ خون اور دیگر مسائل اور رذائل سے بچا جا سکتا ہے۔

غصہ کئی مسائل کی بنیاد ہے۔ فضائل کی نفی ہوتی ہے اور رذائل میں اضافہ لیکن قوتِ برداشت سے غصہ کی حالت پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ کوئی انسانی قوت اگر آپے سے باہر ہو جائے تو جذبہ رواداری کی مدد سے اس کو قابو میں لایا جا سکتا ہے۔ عمر، وقت اور تجربے سے ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔

احساس کی شدید ترین کیفیت، ہیجانی حالت ہوتی ہے۔ ہیجانی حالت خواہ خوشگوار احساس کی بنا پر ہو یا ناخوشگوار حالت کا نتیجہ دونوں صورتوں میں انسان کی ذہنی صحت کے لیے تکلیف دہ ہے۔ ہیجانی حالت پر قابو پانے کے لیے قوت برداشت سے مدد لینی چاہیے جو مشق اور خصوصی ذہنی عمل سے توجہ دینے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے۔ اگر ایسا بار بار کیا جائے تو ایک وقت آتا ہے کہ قوت برداشت انسانی کردار کا حصہ بن جاتی ہے انسان دوسروں سے بہتر محسوس کرتا ہے اور دوسروں کے جملہ معاملات میں مدد بھی دیتا ہے۔ اسی لیے اسلامی تعلیمات میں رواداری سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ تاریخ اسلام کی ورق گردانی کریں تو کئی ایک ایسے مقامات کا پتہ چلتا ہے جن میں متعلقہ شخصیات نے خدا اور رسول اکرمؐ کی تعلیمات کی روشنی میں قوتِ برداشت سے جنگ و جدل کو صلح و صفائی میں تبدیل کر دیا۔ صلح حدیبیہ اس کی سب سے بڑی مثال ہے۔

عالمگیر اخوت (Universal Brotherhood)

عالمگیر اخوت کا مفہوم یہ ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان ایک دوسرے کی پاسداری کریں اور ملت اسلامیہ کے تصور کو عملی شکل دیں۔ مسلمان دنیا میں کہیں بھی موجود ہوں، وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں۔ بھائیوں کی طرح اجتماعی طور پر عالمی سطح پر ایک دوسرے کے کام آنا عالمگیر اخوت ہے۔

اسلام اس نظریے کی تعلیم دیتا ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لیے آپس کے تعلقات میں شفقت اور بھائی چارے کا عنصر غالب ہونا چاہیے۔ آپس کے معاملات میں نرمی اختیار کی جائے۔ ایک دوسرے کا خیر خواہ، خدمت گزار ہوں۔ دلوں میں کدورتیں اور نفرتیں پیدا کرنے والی منفی قوت کو ختم کر دیا جائے۔ اخوت کے یہ تعلقات ملت اسلامیہ کو اجتماعی طور پر مستحکم کرتے ہیں اور پُرامن اور صالح معاشرہ قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ عالمگیر اخوت پوری دنیا کی خیر خواہی سے پروان چڑھتی ہے۔ اسلام دوسرے ادیان کے لوگوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک اور

اخوت کی تلقین کرتا ہے۔اسی لیے اسلامی معاشرے میں خصوصی طور پر اقلیتوں کے حقوق کی بات کی گئی ہے۔یہ اندازِ فکر و عمل عالمگیر بھائی چارے کی بنیاد ہے۔

خدا اور رسول پر ایمان لانے کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ انسانوں میں باہمی محبت اور اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔جب ہمارا ایمان یہ ہو کہ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں، سب کا مقصدِ حیات ایک ہے، سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی ضابطۂ حیات ہم پر لازم ہے تو انسان دوستی کی تحریک کو پروان چڑھانے کی شروعات ہوتی ہیں۔

دنیا میں لوگوں کے حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔دکھ سکھ انسان کے ساتھی ہیں۔انسان کو چاہیے کہ وہ اچھے دنوں میں دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے تاکہ برے وقت میں لوگ اس کا ساتھ دیں۔حسن سلوک سے اخوت اور بھائی چارہ کے جذبات اجاگر ہوتے ہیں۔انفرادی اور چھوٹے معاشرے سے ہوتے ہوئے پوری دنیا میں پھیل جاتے ہیں۔عالمگیر اخوت پروان چڑھتی ہے۔ہمدردی، حسن سلوک، رواداری، احترام اور محبت وخلوص کا درس اسلامی فکر سے ملتا ہے۔اسلام نے عالمگیر اخوت کو عملی صورت پہنائی ہے۔نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات کی نفی کی ہے۔عالمی انسانی برادری کا تصور پیش کر کے اسلام نے پوری دنیا کو قریب تر کر دیا ہے۔یہی کسی دین کا اصل پیغام ہوتا ہے۔

علماء، مشائخ اور صوفیاء کرام کے کردار نے بھی عالمگیر اخوت کی ترویج وترقی میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ان کے رویے، اخلاق، طرزِ زندگی کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر تھی اس لیے عالمگیر اخوت کے رشتے میں پوری دنیا کے مسلمان منسلک ہو گئے۔جس طرح افراد اپنے خاندانوں سے، خاندان دوسرے خاندانوں اور قبیلوں سے اور قبیلے اقوام سے منسلک ہوتے ہیں، جس سے آفاقی وحدت میں ضم ہوا جاتا ہے۔جس طرح ملکی اور جغرافیائی سرحدوں کی بنا پر علاقائی قومیں اور وطن ہوتے ہیں۔اسی طرح مذہب کو بنیاد بنا کر قومیں بنتی ہیں۔جیسے مسلمان قوم، عیسائی، یہودی اور دیگر اقوامِ عالم۔اسلامی تعلیمات میں عالمگیر اخوت کے تصور میں مسلم قوم اور پھر مسلم قوم کا دیگر تمام اقوام کے ساتھ بھائی چارے اور اخوت کا عملی جذبہ پایا جاتا ہے۔اس طرح مسلم قوم میں اتحاد، یکجہتی، یگانگت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہوتی ہے۔اندرونی اور اقوام کے باہمی تنازعات کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''لوگوں کے ساتھ بھلائی کرو جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور زمین میں طالبِ فساد نہ ہو۔'' (القصص)

ایک عقیدے اور اخلاق کو ماننے والے اسلامی معاشرہ تعمیر کرتے ہیں جس میں ایک انسان دوسرے انسان سے عقیدہ کی بنا پر تعلقات قائم کرتا ہے۔ارشادِ خداوندی ہے:

ترجمہ: ''سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔'' (آل عمران)

اس طرح ایک مسلم عالمگیر انسانی برادری کا تصور ابھرتا ہے جس میں نیکیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے بلکہ سبقت لے جانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ برائیوں کو ختم کیا جا سکے۔عالمگیر اخوت ہی وہ طاقت ہے جس کی بنا پر مسلمان اجتماعی اور قومی مسائل کا حل نکال سکتے ہیں۔مسلمانوں میں اگر اس جذبہ میں ترقی وتیزی آجائے تو مخالف قوتوں سے نپٹا جا سکتا ہے۔عالمگیر اخوت کا درس اسلامی تعلیمات میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ابتدا ہی سے بچے کی نشوونما اس نہج پر کی جائے کہ بچے محبت، ایثار اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا سبق سیکھیں تاکہ اخوت و بھائی چارہ اس کی خصلت میں رچ بس جائے۔

مشقی سوالات

انشائی طرز (Subjective Type)

1- حکمت کا قرآن مجید کی روشنی میں مفہوم واضح کریں۔

2- اسلام کی فکری اساس بیان کریں۔

3- اسلام میں نظریہ توحید کی قرآن مجید کے حوالے سے وضاحت کریں۔

4- نظریہ رسالت اسلامی تعلیمات کے حوالے سے بیان کریں۔

5- استحکام آدمیت پر نوٹ لکھیں۔

6- معاشرتی انصاف اور رواداری کو اسلامی تعلیمات کی مدد سے لکھیں۔

7- اسلامی تعلیمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جائزہ لیجئے کہ کیا عالمگیر اخوت انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تبدیلی پیدا کرتا ہے؟

معروضی طرز (Objective Type)

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پُر کیجئے۔

1- حکمت سے مراد علم وفکر سے پیدا ہونے والی.....ہے۔

2- قرآن مجید پڑھ کر سن نے کے علاوہ رسول پاکؐ کے فرائض میں کتاب و.....کی تعلیم دینا بھی شامل ہے۔

3- بے شک خدا کے نزدیک تو اصل دین.....ہے۔(آل عمران)

4- اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا.....مقرر کیا ہے۔

5- جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے.....کی اطاعت کی۔

6- انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ یہ آیت سورۃ.....کا حصہ ہے۔

7- سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ یہ آیت سورۃ.....کا حصہ ہے۔

سوال 2: ذیل میں دیئے گئے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

1- اسلامی تعلیمات کا سب سے اولین اصول ہے۔

i- عقیدہ توحید ii- عقیدہ رسالت iii- حقوق العباد iv- نماز

2- نظریہ رسالت کے مطابق ایمان لایا جاتا ہے۔

i- خدا پر ii- رسول پر iii- ملائکہ پر iv- عقائد پر

3- استحکام آدمیت میں ہوتی ہے۔

i- تکمیل خودی ii- نفی خودی iii- تربیت خودی iv- آزادی

4- ''اے پیغمبر کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے۔ یہ کس سورۃ کی آیت ہے۔

i- سورۃ البقرۃ ii- سورۃ الا..... iii- سورۃ والعصر iv- سورۃ النساء

5- ''اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی ہے۔''

i- سورۃ..... ii- سورۃ البقرۃ iii- سورۃ الناس iv- سورۃ.....

سوال 3: کالم ''الف'' اور کالم ''ب'' میں دیئے گئے الفاظ میں مطابقت پیدا کر کے جواب کالم ''ج'' میں درج کریں۔

کالم ''الف''	کالم ''ب''	کالم ''ج''
☆ اللہ	ایک اللہ کا تصور پایا جاتا ہے۔	
☆ حضرت محمد ﷺ	خالق ہے۔	
☆ تمام اعمال کا دارومدار	کی تلقین ملتی ہے۔	
☆ توحید میں	آخری نبی ہیں۔	
☆ اللہ ہر شے کا	حکمت والا ہے۔	
☆ اسلام میں اتحاد یکجہتی	نیتوں پر ہے۔	
☆ اسلام	رسول بھیجے گئے۔	
☆ اسلام میں معاشرتی انصاف	آپس میں بھائی بھائی ہیں۔	
☆ وہ لوگ جو مومن ہیں	تعلیم دی گئی ہے۔	
☆ راہنمائی اور ہدایت کے لئے	استحکام آدمیت کا درس دیتا ہے۔	

حل مشقی سوالات

سبق نمبر1: فلسفہ کی تعریف

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

(1) ڈیکارٹ (2) مطالعہ (3) غیر حتمی (4) فیثا غورث (5) سائنسدان (6) قدریات

(7) ایک (8) ایمپیڈوکلیز (9) اکتسابی (10) فکر

سوال 4: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) حب دانش (2) افلاطون (3) الکندی (4) ڈیکارٹ (5) افلاطون (6) ڈیکارٹ

(7) استدلال (8) انسانی کردار (9) منطق (10) استقرائیہ

سبق نمبر2: فلسفہ اور مذہب

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

(1) تفکر (2) معرفت (3) اعتقاد (4) کانٹ (5) ہاف ڈنگ (6) موت

(7) ایچ۔ایچ۔ٹائٹس (8) وحی (9) پروفیسر وائیٹ ہیڈ (10) پروفیسر وائیٹ ہیڈ

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) مذہب (2) کانٹ (3) فریڈرک شیلر (4) ہاف ڈنگ (5) وائٹ ہیڈ (6) عقلیت

(7) ایمان (8) فرق (9) مشترک (10) تین

سبق نمبر3: فلسفہ اور سائنس

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

(1) مشاہدہ (2) محلول (3) کل (4) شروع (5) حتمی

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) علم (2) دو (3) ووڈورتھ (4) برگساں (5) ڈیموکرائٹس (6) نیوٹن

(7) ڈبلیو۔ٹی۔ سٹیس (8) سپنسر (9) آئن سٹائین (10) ڈبلیو۔ٹی۔سٹیس

سبق نمبر4: علم

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات یا الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

(1) حیرانی (2) وحی (3) عقل (4) ڈیکارٹ (5) التباس (6) وہبی

(7) اشیا (8) علم (9) شخصیت (10) استنادیت

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ چار جواب میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) علمیات (2) جان ہاسپر (3) پیدائشی طور پر (4) تصدیق (5) عقل سے (6) تجربہ سے (7) ڈیکارٹ

سبق نمبر 5: مابعد الطبیعیات

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

(1) عنصر (2) زوال (3) پانی (4) غیر جانبدار (5) دو (6) معروضی

(7) موضوعی (8) معروضی (9) ہیگل (10) وہم

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) ماورا (2) مادی (3) ایک جوہر سے (4) دو جواہر سے (5) لاتعداد جواہر سے (6) تصورات

(7) مادہ (8) افلاطون (9) ہیگل (10) ڈیموقریطیس

سبق نمبر 6: اخلاقیات

سوا 1 ل: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

(1) اخلاقیات (2) مثالی (3) یونانی (4) اخلاقیات (5) نیت (6) سنہری

(7) دو (8) تہذیب الاخلاق (9) ارادہ طیبہ (10) افادیت

سبق نمبر 7: اسلامی اقدار

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

(1) شر (2) شرک (3) معتزلہ (4) ابو الحسن الاشعری (5) توحید

(6) قادر (7) عدل وانصاف (8) اجتماعی (9) فرائض (10) دین

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) سورۃ التین (2) انسانیات (3) قرآن مجید (4) خدا (5) واصل بن عطا (6) اخلاص

(7) شرک (8) توحید (9) نور (10) والدین کے

سبق نمبر 8: حکمت: مفہوم اور دائرہ کار

سوال 1: درج ذیل فقرات میں مناسب اور موزوں اصطلاحات اور الفاظ سے خالی جگہ پر کریں۔

(1) بصیرت (2) حکمت (3) اسلام (4) نائب/خلیفہ (5) خدا (6) النجم (7) آل عمران

سوال 2: ذیل میں دیے ہوئے سوالات کے ممکنہ جوابات میں سے صحیح کی نشاندہی کریں۔

(1) عقیدہ توحید (2) رسول پر (3) تکمیلِ خودی (4) سورۃ الانعام

فرہنگ (Glossary)

اجتماعی شعور	Collective Consciousness	تصدیق	Verification
احترامِ خودی	Self Respect	تصوریت/مثالیت	Idealism
احتمال	Probable	تعبیر	Interpretition
احدیت	Monism	تنقید	Criticism
اخلاقی نظریات	Ethical Theories	ثقافت	Culture
اخلاقیات	Ethics	ثنویت	Dualism
ادراک	Perception	قدر پیمائی/جائزہ	Evaluation
ادراک	Perception	جمادات	Geology
ارادہ طیبہ	Good Will	جمالیات	Aesthetics
استحکامِ آدمیت	Solidarity of Mankind	جواز	Justification
استدلال	Reason	ایٹم۔جوہر	Atom
استنادیت	Authoritarianism	عنصر	Element
اسلامی اقدار	Islamic Values	جوہر	Substance
اسلامی نظریہ اخلاق	Islamic Theory of Ethics	حقوق العباد	Human Rights
اسلامی نظریہ	Islamic Theory	حکمت	Wisdom
خیرِ اعلیٰ	Highest Good	حواسِ خمسہ	Five Senses
افادیت	Utilitarianism	حیوانیات	Zoology
التباس	Illusion	حُسن	Beauty
بعد	Meta	خیر	Good, Goodness

بیانیہ	Descriptive	دانش	Wisdom
پس جدیدیت	Post Modernism	دائرہ کار	Scope
پیائش	Measurememt	دعویٰ	Thesis
تجربہ گاہ	Laboratory	ذرات	Monads
تجربیت پسند	Empirisist	ذمہ داریاں	Responsibilities
تحلیلی	Analytic	ردِ دعویٰ	Anti-thesis
تخمین	Assessment	روحانیت	Spiritualism
تخیل	Imagination	زریں وسط/سنہری وسط	Golden Mean
ترکیب	Synthesis	سوچ بچار	Speculation
تشریحی	Explanatory		
صحت	Validity	مادیت	Materialism
صداقت	Truth	مآخذِ علم	Sources of Knowledge
صوری صحت	Formal Validity	مجرد	Abstract
طبعی علم	Natural Science	حد	Term
طبیعات	Physics	مذہب	Religion
عالمگیر اخوت	Universal Unity	مشاہدہ	Observation
عقلیت پسند	Rationalist	معاشرتی انصاف	Social Justice
علتی رشتے	Casual Relations	معروضی تصوریت/مثالیت	Objective Idealism
طبی	Medical	معروضی سوالات	Objective Questions

Epistimology	علمیات
Factors	عوامل
Occult Force	سری طاقت
Duties	فرائض
Naturalism	فطرتیت
Thought	فکر
Mediveal Philosophy	فلسفہ قرونِ وسطیٰ
Modern Philosophy	فلسفہ جدید
Ancient Philosophy	فلسفہ قدیم
Philosophy	فلسفہ
Philosophical Approach	فلسفیانہ نہج
Natural Laws	فطری/قدرتی قوانین
Axiology	قدریات
Value	قدر
Tolerance	قوتِ برداشت
Universe	کائنات
Pluarlism	کثرتیت
Chemistry	کیمیا
Metaphysics	مابعدالطبیعات
Material Revolution	مادی انقلاب
Material Validity	مادی صحت
Normative Science	معیاری علم
Possibilities	ممکنات
Conflicts	مناقشات
Deductive Logic	منطق استخراجیہ
Inductive Logic	منطق استقرائیہ
Logic	منطق
Subjective Idealism	موضوعی تصوریت
Subjectibve Questions	موضوعی سوالات
Botany	نباتات
Nervous System	نظامِ عصبی
Atomic Theory	ایٹمی نظریہ/جوہری نظریہ
Identity Theory	نظریہ تشخص
Hedonism	نظریہ لذتیت
Psychology	نفسیات
Intuitions	وجدان
Ontology	وجودیات
Cognitive Process	وقوفی عمل
Innate Ideas	وہبی خیالات
Hallucination	وہم
Being	ہستی

کتابیات

1-	علامہ محمد اقبالؒ: ترجمہ: نذیر نیازی	تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	بزم اقبال، لاہور
2-	کرامت حسین جعفری	منطق استخراجیہ ایم آر برادرز	اردو بازار، لاہور
3-	کرامت حسین جعفری	منطق استخراجیہ ایم آر برادرز	اردو بازار، لاہور
4-	جاوید اقبال ندیم	وجودیت	وکٹری بک بنک، لاہور
5-	امام الغزالیؒ	احیائے علوم الدین (جلد اول)	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
6-	امام الغزالیؒ	افکار غزالی	وکٹری بک بنک، لاہور
7-	جاوید اقبال ندیم	شذرات فلسفہ	وکٹری بک بنک، لاہور
8-	جاوید اقبال ندیم	تناظرات تعلیم	کراچی یونیورسٹی، کراچی
9-	خورشید احمد	اسلامی نظریہ حیات	مرکزی اردو بازار بورڈ، لاہور
10-	سی۔اے قادر	اخلاقیات	خرد افروز، جہلم
11-	علی عباس جلال پوری	روایات فلسفہ	علمی کتاب خانہ، اردو بازار، لاہور
12-	نعیم احمد	تاریخ فلسفہ یونان	وکٹری بک بنک، لاہور
13-	جاوید اقبال	ابن مسکویہ کا فلسفہ اخلاق	اے ون پبلشرز، اردو بازار، لاہور
14-	عاصم صحرائی	بنیادی نفسیات	اعظم گڑھ
15-	سیرت النبیؐ	شبلی نعمانی	اقبال اکادمی، کراچی
16-	ڈاکٹر ابو سعید نور الدین	اسلامی تصوف اور اقبال	دار الشعور، اردو بازار، لاہور
17-	سکنف اور سکنف ترجمہ ڈاکٹر انیس الدین ملک	سائنس دانوں کے عظیم کارنامے	مجلس ترقی ادب، لاہور
18-	ایڈون۔اے برٹ ترجمہ: بشیر احمد ڈار	فلسفہ مذہب	پولیمر پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور
19-	غلام احمد حریری	اساس اسلام	عزیز پبلشرز، اردو بازار، لاہور
20-	ڈاکٹر عبد الخالق، یوسف شیدائی	مسلم فلسفہ	علمی کتاب خانہ، اردو بازار، لاہور
21-	محمد رفیق چوہان	تاریخ فکر یونان	وکٹری بک بنک، لاہور
22-	جاوید اقبال ندیم	ذوق سلیم	مجلہ راوی، گورنمنٹ کالج، لاہور
23-	جاوید اقبال ندیم	تحقیقی مضمون، اعلیٰ تعلیم میں فلسفہ کا کردار	نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
24-	قاضی قیصر الاسلام	فلسفے کے بنیادی مسائل	کفایت اکیڈمی، کراچی
25-	عطاء الرحیم	تعارف نفسیات	علمی کتاب خانہ، اردو بازار، لاہور
26-	خان محمد چاولہ	اسلام کا فلسفہ	

Bibliography

S.No.	Name of the Author	Name of the Book
1	A. E. Taylor	Elements of Metaphysics University Paperbacks.
2	Samnel E. Stumpf	Elements of Philosophy: Mc. Graw-Hill Book Company.
3	E. D. Klemke	Philosophy the Basic Issues: St. Martin's Press New Yark.
4	Droon K. Ghosh	Science, Society & Philosophy: Ajanta Publication Delhi.
5	John Hospers	An Introduction to Philosophical Analysis. Routledge and Kegan Paul Ltd.
6	Albert Schwegler	History of Philosophy: Akashdeep Publishing House Delhi.
7	Irving M.Copi &Carl Cohen	Introduction to Logic: Prentice-Hall International USA.
8	H. H. Titus	Elements of Philosophy.
9	Bertrand Russell	History of Western Philosophy: Routledge London.
10	H. Hocking	Types of Philosophy.
11	H. H. Titus	The Range of Philosophy.
12	N. Warburton	The Classics of Philosophy.
13	N. Warburton	The Classics of Philosophy.
14	M. Iqbal	Reconstruction of Religius thought in Islam.
15	Enwar Eshrat	Metaphysics of Iqbal
16	A. R. Laicy	Dictionary of Philosophy.